جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

انوارِ مدینہ
لاہور

بیاد

عالمِ ربّانی محدّثِ کبیر حضرۃ مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

ربیع الثانی
سنہ ۱۴۲۱ھ

جولائی
سنہ ۲۰۰۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ماہنامہ

انوار مدینہ

جلد : ۸ | ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ ـ جولائی ۲۰۰۰ء | شمارہ : ۷

مدیر اعلیٰ

سید محمود میاں

مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) رائیونڈ روڈ

لاہور

بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۲ روپے ـ ـ ـ ـ سالانہ ۱۳۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، دبئی " ۵۰ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۶ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۱۶ ڈالر

برطانیہ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ " ۲۰ ڈالر

○ اس دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ

ماہ . . . . سے آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ

جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ...۵۴ فون 092-42-200677

فیکس نمبر 092-42-7726702

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوار مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

اس شمارے میں

حرفِ آغاز ـــــــــــــــــــــــــــــ ۳

درسِ حدیث ـــــــ حضرت مولانا سید حامد میاںؒ ـــــــ ۳۰

ہدیۂ عقیدت ـــــــ جناب احسان دانش مرحوم ـــــــ ۳۳

ہمارے عربی مدارس ـــــــ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب ـــــــ ۳۴

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ ـــــــ مولانا محمد عیسیٰ منصوری ـــــــ ۴۰

آہ ۔ میرے شیخ ـــــــ مولانا نعیم امجد سلیمی ـــــــ ۴۷

غزل ـــــــــــــــــــــــــــــ ۵۳

صدا بہ صحرا ـــــــ جناب ذیشان امین صاحب ـــــــ ۵۴

حاصل مطالعہ ـــــــ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب ـــــــ ۵۷

اخبار و احوال جامعہ جدید ـــــــ ۶۲

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔ انڈیا

(تیسری اور آخری قسط)

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سیّد محمود میاں

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

گزشتہ قسطوں میں آپ نے غلاموں کی ہزاروں برس قدیم تاریخ اور اُن کے ساتھ ہونے والی بدسلوکیاں اور اُس میں ملوّث اقوام کے تفصیلی حالات پڑھے جن میں فرنگی فرانسیسی اور دیگر یورپی عیسائی یہودی، ہندو، اہلِ چین اہلِ فارس، یونانی، قدیم مصری، اہلِ فینیقیہ، رُومی اور رُوسی سب ہی شامل ہیں اور آج بھی امریکہ اور دیگر عیسائی دُنیا میں لاکھوں انسان جانوروں سے بھی بدتر غلامی کی ویسی ہی زندگی گزار رہے ہیں جیسی کہ آج سے ہزاروں برس قبل گزارتے تھے۔ جبکہ چودہ سو برس قبل اسلام کے عادلانہ نظام کے طفیل انسان کو نصیب ہونے والے ارتقاء کی وجہ سے غلاموں کو انسانیت کے ناطے بہت کچھ تحفظات عطا کیے گئے۔ اُن کے ساتھ ہونے والے بہیمانہ سلوک کی اسلام میں سخت مذمّت کی گئی اور اس کے نتیجہ میں آخرت کے عذاب سے اتنا ڈرایا گیا کہ دل میں خوفِ خُدا رکھنے والا ہر شخص اُس کے ساتھ حُسنِ سلوک کی ہر ممکن کوشش کرتا، زیادتی ہو جاتی تو تلافی کرتا یا بالآخر آزاد کرنے میں ہی اپنی عافیت جانتا۔

قرآن پاک اور ذخیرہ حدیث میں غلام بنانے کے بجائے اُن کے ساتھ حُسنِ معاملہ اور آزاد کرنے کی جگہ جگہ ترغیبات ملتی ہیں۔ نبی آخر الزماں حضرت محمّد صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اُن کے صحابہؓ کی جماعت نے غلاموں کے ساتھ حُسنِ سلوک اور اُن کو آزاد کرنے کی بے شمار عملی مثالیں دُنیا کے سامنے پیش کیں۔ یہی وجہ ہے کہ

افریقہ کا مشہور سیاح مسٹر جوزف تھامپسن لندن ٹائمز مورخہ ۴ار نومبر ۱۸۸۷ء کے نام اپنے ایک خط میں "مشرقی افریقہ میں غلامی" کے زیرِ عنوان لکھتا ہے۔

"مَیں بے تامل یہ رائے رکھتا ہوں، اور اس میں کوئی شُبہہ نہیں کہ مشرقی و مرکزی افریقہ سے متعلق جتنا وسیع میرا تجربہ ہے آپ کے اخبار کے کسی نامہ نگار کا نہیں ہے کہ اگر یہاں غلاموں کی تجارت کا بازار گرم ہے تو اِس کی وجہ ایک بڑی حد تک یہ ہے کہ ان علاقوں میں اسلام کا پروپیگنڈہ نہیں کیا گیا ہے اور میرے پاس یہ یقین کرنے کے قوی اسباب ہیں کہ اگر یہاں اسلام کو روشناس کرایا جاتا تو بردہ فروشی کا کبھی کا مکمل خاتمہ ہو چکا ہوتا۔" (اسلام میں غلامی کی حقیقت ص: ۲۱۹)

ایک جگہ مسٹر باسورتھ اسمتھ لکھتا ہے۔

"ایک غلام جس کو قانوناً اور مذہباً (اسلام میں) اس طرح محفوظ رکھا گیا ہو زمانہ حال کے مفہومِ غلامی کے اعتبار سے غلام نہیں کہلایا جا سکتا۔ (ایضاً، ص: ۲۲۰)

ڈاکٹر مارکسی ڈاوّس بھی اپنے تعصّب کے باوجود اس حقیقت کا اقرار کیے بغیر نہ رہا۔

"محمدّ (صلی اللہ علیہ وسلّم) بہت شفیق اور رحمدل شخص تھے اور بے شُبہہ آپ کا یہ منشا۔ تھا کہ غلاموں کی حالت میں اصلاح کریں اگر آپ فی الفور غلاموں کی آزادی کا خیال کرتے تب بھی اس کو عمل میں لانا غالباً ناممکن پاتے، لیکن آپ نے انما المومنون اخوۃ کا اعلان کرکے بتدریج اس مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ایک ایسا یقینی ذریعہ سوچا جو آپ کے اختیار کے مطابق سب سے بہتر تھا..."

چند سطروں پر لکھتا ہے

"آپ کی تلقین کردہ انسانی مساوات کی عملی مثالیں تو بعض ممالک میں نظر آتی ہیں لیکن افسوس ہے کہ عیسائی ملکوں میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حضرت عمرؓ اپنے اُونٹ کی نکیل پکڑتے ہوئے نکلتے ہیں اور اُن کا غلام اُونٹ پر سوار ہے۔ پیغمبر اسلام کی جگر گوشہ حضرت فاطمہؓ اپنی باندیوں کے ساتھ ساتھ چکی پیستی نظر آتی ہیں یہ وہ نمونے ہیں جن میں آپ کی تعلیم کی مکمل مثال ملتی ہے۔"[1] (ایضاً ص۲۲۰ و ص۲۲۱)

---

[1] Four Lectures on Natural and Revalid Religion

کہتے ہیں جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

فضل و کمال کے لیے دُشمن کی گواہی سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے سو وہ بھی پیش کر دی گئی ہے۔

اَب مَیں اپنے جدامجد حضرت مولانا سیّد محمّد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف کا ایک اقتباس نقل کرتا ہوں جس سے اسیرانِ جنگ کے ساتھ اسلامی رویّہ پر خُوب روشنی پڑتی ہے

"عرب کے اس دَور معصوم میں جیل خانہ نہیں تھا لوگ قیدی کو تسمہ سے باندھ دیا کرتے تھے اس لیے اس کو "اسیر" کہتے تھے یعنی تسمہ والا کیونکہ "اسیر" تسمہ کو کہا جاتا ہے جو گرفتار کرتا تھا وہی اس کی حفاظت کا ذمّہ دار ہوتا تھا خورد و نوش کا انتظام بھی وہی کیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ہدایت فرمادی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں[1] اس ہدایت پر یہاں تک عمل کیا گیا کہ صحابہ کرام ان قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور خود کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ان قیدیوں میں ابوعزیز بن عمیر بھی تھے جو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے ان کا بیان ہے کہ مَیں جن انصار کے یہاں قید تھا جب وہ کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھ دیتے تھے اور خود کھجوریں اُٹھا لیتے تھے مجھے شرم آتی اور مَیں روٹی اُن کے ہاتھ میں دے دیتا لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے اور مجھ ہی کو واپس کر دیتے تھے۔[2]

حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کو قید کی حالت میں مسجد میں رکھا گیا تسمہ سخت کسا ہُوا تھا تکلیف سے کراہ نکلنے لگی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کراہ کی آواز سُنی تو نیند جاتی رہی آپ کی بے چینی کا احساس خدّام کو ہُوا اور جب معلوم ہُوا کہ حضرت عبّاس کی بے چینی کی وجہ سے سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم بے چین ہیں تو تسمہ ڈھیلا کر دیا اور جب حضرت عبّاس کا تسمہ ڈھیلا کیا گیا تو تمام اسیروں کے تسمے اسی طرح ڈھیلے کر دیے گئے۔[3]

اسیران جنگ کے پاس کپڑے نہیں تھے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے کپڑے دلوائے حضرت عبّاس رضی اللہ عنہ کا قد لانبا تھا کسی کا کرتا اُن کے بدن پر ٹھیک نہ آیا عبداللہ بن اُبَیّ

---

[1] استوصوا بالاساری خیرا سیرۃ ابن ہشام ص ۳۹۴

[2] سیرۃ ابن ہشام ص ۳۹۴ [3] سیرۃ حلبیہ ج: ۲، ص: ۲۱۹

(رئیس المنافقین) ان کا ہم قد تھا اس نے اپنا کرتا ننگا کر دیا۔ صحیحؒ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے عبداللہ بن اُبیؓ کے کفن کے لیے جو اپنا کرتا عنایت فرمایا وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔ ابو عزہ عمرو الجمعی مشہور شاعر تھا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف اشعار اور قصیدے کہا کرتا تھا وہ بھی گرفتار ہوا اور جب فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو معذرت پیش کر دی کہ تہی دست ہوں، پانچ لڑکیوں کا خرچ میرے ذمّہ ہے۔ مجھے تو آپ بلا فدیہ ہی رہا کر دیجیے رحمت عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے درخواست منظور فرمائی اور اُس کو رہا کر دیا۔ اس نے مکّہ جاکر آپ کی تعریف میں اشعار کہے مگر پھر بدبختی سوار ہوئی جنگ اُحد کے موقع پر مُسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز اشعار کہے اس بدعہدی کا بدلا بھی ہاتھ در ہاتھ مل گیا۔ جنگ اُحد میں گرفتار ہوا پھر بصد ناکامی قتل ہوا۔

سہیل بن عمرو مکّہ کا مشہور خطیب اور شاعر تھا اُس کا نیچے کا ہونٹ کٹا ہوا تھا مگر پھر بھی تقریر دھواں دھار کیا کرتا تھا اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف زہر اگلا کرتا تھا جنگ بدر میں گرفتار ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اجازت چاہی کہ اس کے آگے کے دو دانت توڑ دیے جائیں تاکہ تقریر نہ کر سکے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا میں مثلہ کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نبی ہوں مگر مثلہ ایسا فعل ہے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے انتقام میں خود میرا مثلہ کر دے (معاذ اللہ)۔

مکرز بن حفص نے اس کی رہائی کی کوشش کی مگر زر فدیہ پاس نہیں تھا تو مکرز نے خود اپنی ضمانت پیش کر دی کہ میرے پاؤں میں تسمہ ڈال دیا جائے اور سہیل کو مہلت دی جائے کہ وہ رقم فدیہ فراہم کر کے لے آئے رحمت دوجہاں (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دربار میں یہ ضمانت منظور ہوئی اور سہیل کو رہا کر دیا گیا کہ وہ زر فدیہ فراہم کر دے۔[۳]

(عہد زرّیں اور مثالی حکومتیں، ج: ۱، ص: ۴۹۶)

---

[۱] بخاری شریف ص ۴۴۲ وغیرہ [۲] سیرۃ حلبیہ ص ۲۲۲

[۳] ابن ہشام ج: ۱، ص ۳۹۶ و ص ۳۹۷

جلد دوم صـ۲۰۲ پر تحریر فرماتے ہیں۔

تقسیم غنائم کے بعد ہوازن کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہُوا جس میں نو آدمی تھے یہ اسلام سے مشرف ہُوا پھر اپنے مال وسامان اور اپنے اہل وعیال کی واپسی کی درخواست کی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ اسی قبیلہ کی تھیں۔ اسی قبیلہ کے خطیب زہیر بن صرد کھڑے ہُوئے عرض کیا یارسول اللہ اِن اسیروں میں آپ کی پھوپیاں اور آپ کی خالائیں ہیں جنھوں نے آپ کو گود کھلایا تھا یہ اُن کی کتنی خوش نصیبی ہے کہ اُنھوں نے آپ کو گود کھلایا ایسے خوش نصیب آج کیسے محروم ہوسکتے ہیں[1]

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا۔ سچّی بات بہت پیاری ہوتی ہے مجھے سچّی بات بہت محبوب ہے مَیں آپ صاحبان کا انتظار کرتا رہا مایُوس ہوکر مَیں نے مالِ غنیمت تقسیم کر دیا اور قیدی بھی تقسیم کر دیے اب یہ نہ میرے رہے ہیں اور نہ میرے اختیار میں ہیں کہ مَیں حکم کرکے سب کو واپس کرا دوں اب آپ دو میں سے ایک بات منظور کر لیجیے مال واپس لینا چاہتے ہیں یا قیدی جو غلام بن چکے ان کو واپس لینا چاہتے ہیں؟

ارکانِ وفد نے جواب دیا ہم اپنے قیدیوں کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ ارکانِ وفد سے یہ بات طے کرنے کے بعد آپ نے مُسلمانوں کے اجتماع میں تقریر فرمائی۔ حمد وثنا کے بعد فرمایا تمہارے یہ بھائی اہلِ ہوازن تائب ہوکر آئے ہیں مَیں نے طے کر لیا ہے کہ ان کو صرف ان کے قیدی واپس مل سکیں گے لہٰذا ان کو ان کے اہل وعیال واپس کرنے میں (جو قیدی تھے اور جو تقسیم کے بعد آپ صاحبان کی ملک ہو چکے ہیں ان کو غلام کی حیثیّت سے آپ بیچ بھی سکتے ہیں) اب جو صاحب خوشی سے واپس کر دیں[2] بہت بہتر ہے لیکن جو اس کا عوض لینا چاہیں تو مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ جیسے ہی آئندہ ایسا موقع ہوگا کہ ہمارے قبضہ میں غلام آئیں گے اُن کا معاوضہ چکا دیا جائے گا۔ مجمع سے آواز بلند ہُوئی قد طیّبنا ذٰلک یارسول اللہ ہم اس کے لیے بڑی خوشی سے تیار ہیں (یعنی بلا کسی شرط کے ان غلاموں کو آزاد کر دیں وہ اپنے

---

[1] فتح الباری ج: ۸، ص: ۲۷ [2] یہ انفرادی ملکیت کا احترام ہے اسی بناء پر امیر یا خلیفہ کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی ایسا آرڈیننس جاری کرے جس سے انفرادی ملکیّت ختم ہوتی ہو۔ واللہ اعلم

رشتہ داروں کے ساتھ چلے جائیں۔)

رائے عامہ معلوم کرنے کا نبوی طریقہ

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا آپ کے اس اجتماعی جواب سے ہر ایک کے دل کی بات نہیں معلوم ہوئی کیا واقعی ہر ایک شخص بلا تکلف دل کی رضا مندی بلا شرطِ معاوضہ غلام آزاد کر رہا ہے یا دل سے راضی نہیں ہے اور محض مجمع کے لحاظ سے یہ جواب دے رہا ہے لہٰذا آپ لوگ جائیں ہر ایک جماعت اور قبیلہ کے عریف[1] (میرِ محلہ یا قبیلہ) کا یہ کام ہے کہ فرداً فرداً ہر شخص کی رائے معلوم کرے اور ہمارے سامنے روداد بیان کرے چنانچہ مجمع منتشر ہو گیا۔ عرفاء قبائل نے فرداً فرداً ہر شخص کی آزادانہ رائے معلوم کی پھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہو کر رپورٹ پیش کی کہ ہر شخص بخوشی تیار ہے اور بلا شرط اپنے غلام کو آزاد کر رہا ہے اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپ نے ان چھ ہزار قیدیوں کو واپس فرما دیا۔[2]

ایک بار پھر ہم حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی کتاب "اسلام میں غلامی کی حقیقت" سے استفادہ کرتے ہیں جس میں بہت تفصیل سے اسلام میں غلاموں کے حقوق اوران کے تحفّظ کی ایسی ناقابلِ تردید شہادتیں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ جن کا اعتراف خواہی نخواہی عیسائی مؤرخین کو بھی کرنا پڑا۔

غلام کے حقوق

اب غلام کے حقوق پر ایک نظر ڈالتے جائیے۔ پہلے آپ پڑھ چکے ہیں کہ دوسری قومیں غلاموں کے ساتھ کیسا وحشیانہ برتاؤ کرتی تھیں۔ اب اُن کو پیشِ نظر رکھ کر ملاحظہ کیجیے کہ اسلام نے غلام کو کن کن حقوق سے نوازا ہے۔ انسانی اعتبار سے ایک انسان کے جتنے حقوق ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جان کا محفوظ ہونا۔ حدودِ شریعت میں رفتار و گفتار کی آزادی، نکاح و طلاق کے معاملہ میں آزادی، تحصیلِ علم و کمال میں آزادی۔ یہ سب حقوق اسلام نے غلام کو عطا فرماتے ہیں۔

غلام کا قصاص

ایک انسان کے لیے سب سے زیادہ قیمتی اور عزیز اُس کی جان ہے، مگر غیر مسلم اقوامِ متمدنہ کے نزدیک غلام کی جان جانوروں کی جان سے زیادہ قیمتی نہ تھی وہ اگر قتل کر دیا جاتا تو

---

[1] یعنی قبیلہ یا محلّہ کے معاملات کا نگران (قیم) اس کا رابطہ حاکم باللسے ہوتا تھا (مجمع البحار) اس طرح کا نظام قائم تھا۔ [2] بخاری شریف ص۳۰۹ ص۳۴۵

مَا عَلِمْتُ اَحَدًا رَدَّ شَہَادَۃَ الْعَبْدِ[1] مجھ کو کوئی شخص ایسا نہیں ملا جس نے غلام کی گواہی کو رَد کر دیا ہو

غنیمت میں غلاموں کی مساوات احرار کے ساتھ

جس طرح شہادت کے معاملہ میں غلام احرار کے مساوی ہیں، مالِ غنیمت کی تقسیم میں بھی اُن کو احرار کے برابر رکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں غنیمت سے متعلق جتنی آیات آئی ہیں اُن میں کہیں حُر اور عبد کی تفریق نہیں ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ بیت المال سے جو وظائف تقسیم کرتے تھے اُن میں بھی آزاد اور غلام کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔ مشہور مؤرخ ابن اثیر اپنی تاریخ "الکامل" میں لکھتے ہیں:

وَکَانَ یُسَوِّی فی قسمتہٖ بین السابقین الاوّلین والمتاخرین فی الاسلامِ وبین الحُرِّ وَالعبدِ والذکر والانثٰی[2]	حضرت ابوبکرؓ بیت المال کی تقسیم میں برابری کرتے تھے سابقین اوّلین اور اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے متاخرین میں اور آزاد میں اور غلام میں اور مرد میں اور عورت میں

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:

کان ابی یقسم للحرِّ وللعبد[3]	میرے باپ غلام اور آزاد دونوں کے لیے تقسیم کرتے تھے

حضرت عمرؓ نے دیوان (دفتر) کے مرتب ہو جانے کے بعد جب عطیات و وظائف کی تعیین کی تو آپ نے پہلے اُن مہاجرین و انصار کے اسماءِ گرامی سے کی جو بدر میں شریک ہوئے تھے اور اُن میں سے ہر ایک کے لیے فی کس پانچ ہزار درہم مقرر کیے اور اس میں ان حضرات کے حلفاء اور موالی سب برابر تھے۔

ایک جماعت نے حضرت عمرؓ کے پاس آکر اُن کے کسی گورنر کی شکایت کی اور کہا کہ وہ عرب کو تو دیتا ہے مگر موالی کو چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عامل کو لکھا کہ کسی انسان کے شریر ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو تحقیر کی نظر سے دیکھے۔

حضرت عمرؓ نے اہل عوالی کی مردم شماری کرائی اور اُن کے وظیفے مقرر کیے۔ اِس کے علاوہ آپ کا معمول تھا، ہفتہ کے روز عوالی جاتے اور جو از کار رفتہ غلام نظر آتا، اُس کا ٹیکس معاف کر دیتے ایک روایت

[1] القیاس فی الشرع الاسلامی۔ [2] تاریخ ابن اثیر، ج: ۲، ص: ۱۶۲

[3] ابوداؤد کتاب الخراج باب فی قسم الفیٔ

کہیں اُس کی داد فریاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اسلام کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ اُس نے اس معاملہ میں غلام اور حُر دونوں کو بالکل برابر رکھا ہے اور جس طرح حُر کا قاتل مباح الدم ہے اور واجب القصاص، غلام کا قاتل بھی خواہ کوئی حُر ہو یا غلام گردن زدنی ہے۔ تمام فقہاءِ احناف کا اجماع ہے کہ

يُقتَلُ الحُرُّ بالعبد والعبد بِالْحُرِّ [1] حُر کو عبد کے بدلے میں اور عبد کو حُر کے بدلے میں قتل کردیا جائے

حضرت سمرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ عبدهٗ قتلناه ومن جدع اَنْفَهٗ جدعناهٗ جو اپنے غلام کو قتل کرے گا ہم اُس کو قتل کریں گے اور جو اپنے غلام کی ناک کاٹے گا ہم اُس کی ناک کاٹیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں ہے۔

مَنْ خَصّٰی عَبْدَهٗ خصيناه جو اپنے غلام کو خصّی کرے گا۔ ہم اُس کو خصّی کریں گے

ابوداؤد میں جس باب کے ماتحت یہ دونوں حدیثیں درج ہیں۔ انہی کے ساتھ ایک یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو اپنی ایک جاریہ کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا، غصّہ میں آکر اُس کو خصّی کر ڈالا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اُس شخص کو طلب فرمایا، مگر وہ نہیں ملا۔ اس پر آنحضرتؐ نے غلام سے فرمایا "جا تو آزاد ہے"۔ غلام نے پُوچھا میری مدد کس کس پر فرض ہے؟ ارشاد ہوا "ہر مسلمان پر"۔

غلام کی شہادت

شہادت کا معاملہ کچھ کم اہم نہیں ہے۔ گواہی اُنہی کی معتبر ہوتی ہے جو صاحب عقل و ہوش ہوں اور جن کا قول دوسروں کے حق میں اعتبار کے قابل ولائق سمجھا جائے کسی شخص کی شہادت کا معتبر ہونا اُس کی معاشرتی حیثیّت کو ظاہر کرتا ہے۔ رومیوں کے نزدیک غلام کو سوسائٹی میں حقیر و ذلیل سمجھا جاتا تھا۔ اس بناء پر وہ غلام کی شہادت کا اعتبار بھی نہیں کرتے تھے لیکن اسلام نے اس کے باوجود کہ اس کے اصولِ قبول شہادت بہت سخت ہیں۔ غلام کی شہادت کو معتبر مانا ہے۔

حضرت انس بن مالک سے غلاموں اور باندیوں کی شہادت کے متعلق پُوچھا گیا تو فرمایا: "غلام کی شہادت جائز ہے، بشرطیکہ وہ عادل ہو [2]" اور یہی نہیں بلکہ فرمایا:

---

[1] احکام القرآن جلد اوّل، ص: ۱۵۷

[2] بخاری باب شہادۃ الاماء والعبید۔

میں اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ ہیں۔

"حضرت عمرؓ نے فرمایا، میں نے ہر نفس مسلمہ کے لیے ہر مہینہ میں دو مد (ایک پیمانہ) گیہوں، اور دو قسط[1] زیتون کے اور دو قسط سرکہ کے مقرر کر دیئے ہیں، تو اُس پر ایک شخص نے کہا "والعبد؟" یعنی کیا غلام کو بھی اتنا ہی ملے گا۔ آپ نے فرمایا "نعم والعبد" ہاں اور غلام کو بھی۔[2]"

غلاموں کا نکاح

انسانیت کے حقوق میں ایک بڑا حق شادی بیاہ کا ہے۔ اسلام سے پہلے لوگ اپنے آرام و آسائش کی خاطر غلاموں اور باندیوں کو شادی کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ رومن امپائر تہذیب و تمدن کے اعتبار سے امم قدیمہ میں امتیاز خاص رکھتی ہے لیکن اُس کے ہاں بھی غلام قانونی طور پر شادی کا حقدار نہیں تھا۔[3] قرآن مجید میں ہے:

وانکحوا الایامٰی منکم والصّالحین مِنْ عبادکم وامائکُم	تم اپنی غیر شادی شدہ عورتوں اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کرو۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں:

وفیه دلیلٌ علیٰ وجوب تزویج المولیةِ والمملوكِ[4]	اور اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ غلام اور باندی کا نکاح کرنا واجب ہے۔

عرب میں کچھ لوگ ایسے تھے جو غلاموں کا بیاہ کر دیتے تھے، مگر پھر جب چاہتے میاں، بیوی میں تفریق بھی کرا دیتے تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ عہد نبوّت میں پیش آیا۔ غلام نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے شکایت کی۔ آپ نے منبر پر خطبہ دیا اور فرمایا "لوگو! کیوں غلاموں کا نکاح کر کے اُن میں تفریق کراتے ہو نکاح و طلاق کا حق صرف شوہر کو ہے۔[5]"

غلام آزاد عورتوں سے شادی کر سکتا ہے

پھر غلام کے لیے یہ قید نہیں کہ وہ صرف باندی سے نکاح کرے بلکہ حرہ اور شریف عورت سے بھی نکاح کر سکتا ہے خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ کا نکاح اپنی پھوپی زاد بہن زینبؓ بنت جحش سے

---

[1] ایک قسط نصف صاع کا ہوتا ہے یعنی تقریباً پونے دو سیر کا [2] فتوح البلدان بلاذری، ص ۴۶۶ [3] انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس باب سلیوری [4] تفسیر بیضاوی مطبوعہ مصر ص: ۲۰۵ [5] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق

کیا تھا اور جب دونوں میں نباہ نہ ہوئی اور نوبت طلاق تک پہنچی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود اُن سے نکاح کرلیا۔ یہ واقعہ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔

اسی طرح شریف اور حُر مرد باندیوں یا آزاد شُدہ عورتوں کے ساتھ شادی کرسکتا ہے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے زیادہ شریف و نجیب کون ہوسکتا ہے۔ خود آپ نے حضرت جویریہ سے نکاح کیا جو ثابت بن قیس کی جاریہ تھیں۔ جویریہ نے ثابت سے مکاتبت کرلی تھی آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان کی طرف سے بدل کتابت ادا کیا اور آزاد ہونے کے بعد اُن کو شرفِ زوجیت عطا فرمایا۔

حضرت ابن عبّاس سے روایت ہے کہ ایک غلام نے بنو بیاضۃ کے کسی خاندان میں رشتہ کرنا چاہا، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے بھی اس کو پسند فرمایا اور خاندان کے لوگوں سے فرمایا کہ اس رشتہ کو منظور کرلیں۔ اُنھوں نے کہا "یا رسول اللہ! آپ ہم کو حکم کرتے ہیں کہ اپنی بیٹیوں کے نکاح غلاموں سے کردیں"؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ	اے لوگو ہم نے تم کو مردوں اور عورتوں سے پیدا کیا ہے
ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا	اور تم کو مختلف گروہوں اور قبیلوں پر اس لیے تقسیم کیا ہے
وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ	کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب
عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ	سے زیادہ مستحقِ کرامت وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ
عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ	متقی ہے۔ تحقیق اللہ جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے

اس آیت کا شانِ نزول ایک یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت بلال کو حکم دیا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہوکر اذان دیں۔ حارث بن ہشام اور عتاب بن اسید سُن کر غضب ناک ہوگئے اور کہنے لگے "کیا یہ غلام حبشی سقفِ کعبہ پر کھڑا ہوکر اذان دیگا"؟ اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔[1]

روم میں عام طور پر دستور تھا کہ جب کسی غلام کی لڑکی بیاہی جاتی تو اُس کی پہلی شب آقا کے پاس بسر ہوتی تھی۔ مسٹر سید امیر علی لکھتے ہیں کہ اس شرمناک ظلم سے عیسائی بشپ تک نہ چوکتے تھے[2] یہ اس قدر شرمناک بات ہے کہ اسلام تو اس کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ عہدِ جاہلیت میں لوگ باندیوں سے کسب کراتے تھے۔ قرآن مجید میں اس کی حُرمت کو بہ صراحت بیان فرمایا گیا۔

---

[1] تاریخ الاسلام السیاسی۔ ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن۔ ص: ۲۲۸

[2] Spirit of Islam Page No. 224

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا — تم اپنی جواری کو زنا پر مجبور نہ کرو اگر وہ پاک دامنی کی خواہش کریں۔

اور صرف یہی نہیں کہ آقا کو باندی یا غلام کا نکاح کرنا ضروری ہے بلکہ صحیح حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی باندی کو اچھی تعلیم و تربیت دے اور پھر اُس کو آزاد کر کے خود اُس سے نکاح کرلے تو اُس کو دُو اجر ملتے ہیں۔[1]

غلام کتنی عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے

غلام کتنی عورتوں کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھ سکتا ہے؟ امام مالک کا ارشاد تو اس مسئلہ میں یہ ہے کہ حُر کی طرح عبد بھی چار عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے اور استدلال یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ فرمایا گیا ہے۔ اُس میں خطاب عام ہے۔ آزادوں اور غلاموں سب کو شامل ہے۔[2]

امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور چند دوسرے بزرگ اس کے خلاف ہیں۔ اُن کے نزدیک غلام صرف دو عورتوں سے ہی نکاح کر سکتا ہے، لیکن اس کی وجہ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے یہ ہے کہ غلام دوسرے کے بس میں ہونے کے باعث چار عورتوں کے نان و نفقہ کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔

غلام نصیحت کر سکتا ہے

غیر مسلم قوموں میں غلام کی مجال نہ تھی کہ اپنے مولیٰ کے کسی فعل پر نکتہ چینی کر سکے خواہ وہ کتنی ہی جائز اور درست ہو۔ اگر کسی غلام سے کبھی ایسی کوئی حرکت سرزد ہو جاتی تو غریب پر انسانی زندگی کی تمام نعمتیں ہی حرام کر دی جاتی تھیں، لیکن اسلام نے فکری و قولی آزادی کی جس نعمت سے اہلِ عالم کو نوازا ہے اس سے غلام کو بھی محروم نہیں رکھا گیا۔ اُسے حق ہے کہ وہ بغیر کسی خوف و ہراس کے اپنے آقا کے فعل پر نکتہ چینی کرے اور ایسا کرنا اُس کے لیے جائز ہی نہیں بلکہ اجر و ثواب کا سبب ہے۔

غلام کا کھانا

طعام کے اعتبار سے بھی غلام کو کسی فروتر مرتبہ پر نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ حکم دیا گیا ہے کہ جو آقا کھائے وہی اپنے غلام کو کھلائے۔ حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ

---

[1] سنن ابوداؤد صحیح بخاری وغیرہ باب تعلیم الجاریۃ [2] موطا امام مالک باب نکاح العبد

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا

من لا ئمکم من مملوکیکم فاطعموہ	تمہارا جو غلام منشاء کے مطابق ہو اُس کو جو تم کھاتے ہو
مما تاکلونَ واکسوہ مما تلبسونَ	وہی کھلاؤ اور جو تم پہنتے ہو وہی پہناؤ اور جو غلام
ومن لایلائمکم منھم فبیعوہ	منشاء کے مطابق نہ ہو اُس کو بیچ دو اور اللہ کے
ولا تعذبوا خلق اللہ[۱]	بندوں کو عذاب نہ دو۔

ایک اور موقع پر زیادہ مؤثر الفاظ میں فرمایا گیا ہے۔

اَرِقَّاءُ کم ارقاکم اطعموھم	تمہارے غلام تمہارے ہیں ان کو وہی کھلاؤ جو
مما تاکلون واکسوھم مما	تم خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے
تلبسونَ (ابن سعد)	ہو۔

حضرت عثمان رضؓ نے عام طور سے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ جو باندی کوئی پیشہ نہیں جانتی تھی اور جو غلام کم عمر ہیں اُن کو روپیہ کمانے کی تکلیف نہ دی جائے لیکن اس کے ساتھ اُن کو کھانا عمدہ دیا جائے۔[۲]

پھر اس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ ارشاد فرمایا گیا ہے کہ غلام کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاؤ اور اگر وہ ساتھ نہ بیٹھے تو کم از کم ایک لقمہ اپنے ہاتھ سے اُسے دے دو۔ کیونکہ اُس نے تم کو آگ کی گرمی سے بچایا ہے۔

ابو محذورہ کہتے ہیں " میں حضرت عمر رضؓ کے پاس بیٹھا ہُوا تھا کہ حضرت صفوان بن اُمیہؓ ایک بڑا طباق لیے ہُوئے آئے جس کو چند آدمی اُٹھائے ہُوئے تھے' اُنھوں نے یہ طباق حضرت عمر رضؓ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے مسکینوں کو، اور وہ لوگ جو آپ کے پاس بیٹھے ہُوئے تھے اُن کے غلاموں کو بُلایا اور سب نے مل کر حضرت عمر رضؓ کے ساتھ کھانا کھایا۔ پھر آپ نے فرمایا:

لَعَنَ اللہُ قوماً یرغبون عن ارقائھم	اللہ ان لوگوں پر لعنت کرے جو اپنے غلاموں کے
ان یاکلوا مَعَھُمْ[۳]	ساتھ کھانا کھانے سے اعراض کرتے ہیں۔

---

[۱] ابو داؤد باب فی حق المملوک۔ [۲] موطأ امام مالک کتاب الجامع باب الامر بالرفق بالمملوک

[۳] الادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ اذا اکل ص: ۳۲

غلام کا لباس

یہی برابری لباس کے معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئی ہے جیسا کہ احادیث بالا سے واضح ہوتا ہے صحابہ کرام نے اس حکم نبوی کی تعمیل کس طرح کی ؟ اس کا اندازہ چند واقعاتِ ذیل سے ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی لڑکیوں کی طرح اپنی باندیوں کو بھی سنہرے زیورات پہناتے تھے[۱] ایک دفعہ کچھ لوگ ان سے ملاقات کرنے آگئے دیکھا کہ اُن کے غلام کے گلے میں سونے کا طوق پڑا ہوا ہے، ایک دوسرے کی جانب تعجب سے دیکھنے لگا ارشاد ہوا "تمہاری نگاہ بُرائیوں ہی پر پڑتی ہے"[۲]

ایک مرتبہ حضرت ابوالیسر دو مختلف قسم کے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اسی طرح کے کپڑے اُن کے غلام کے جسم پر تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ اگر آپ دونوں ایک ایک کپڑا آپس میں بدل لیتے تو ہر ایک کے بدن پر ایک ایک ہم رنگ جوڑا ہو جاتا۔ فرمایا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے غلاموں کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو" مطلب یہ تھا کہ اگر میرے اور غلام کے جسم پر ایک ایک رنگ کا لباس ہوتا تو مساوات کس طرح باقی رہ سکتی تھی[۳]

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اپنے غلام کو چند درہم دیے کہ وہ ان سے مختلف قیمت کے دو کپڑے خرید لائے۔ کپڑے آئے تو ان میں بناوٹ کے اعتبار سے جو زیادہ باریک اور قیمتاً زیادہ گراں تھا وہ آپ نے غلام کو دے دیا اور جو اُس سے گھٹیا تھا خود اپنے لیے رکھ لیا اور پھر غلام سے خطاب کرکے فرمایا "تو اچھے کپڑے کا بہ نسبت میرے زیادہ مستحق ہے کیونکہ تو جوان ہے اور تجمل پسند کرتا ہے اور میں تو بڈھا ہو چکا ہوں"[۴]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ایک انسان کے گنہگار ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اُن لوگوں کو جو اُس کے قبضہ میں ہیں اپنا کھانا نہ کھلائے۔[۵]

غلاموں کے ساتھ عام حسنِ معاشرت

قرآن مجید میں جن جن لوگوں کے ساتھ حسنِ معاشرت سے پیش آنے کا امر فرمایا گیا ہے انھی میں غلاموں کا بھی ذکر ہے ارشاد ہوتا ہے۔

واعبدوا اللّٰہ ولا تشرکوا بہ شیئًا	اور اللہ کی عبادت کرو۔ اور کسی چیز کو اسکا شریک بناؤ
بالوالدین احسانا وبذی القربٰی	اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور قرابت والوں یتیموں

---

[۱] موطا امام مالک، کتاب الزکوٰۃ [۲] ادب المفرد باب فضول النظر [۳] ادب المفرد [۴] تاریخ الاسلام السیاسی ج: ا ص ۲۳۴

[۵] نیل الاوطار ج: ۷

والیتامٰی والمساکین والجارِ ذی القربٰی والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم اِنّ اللّٰہ لا یحب من کان مختالًا فخورا

محتاجوں، قرابت والے پڑوسیوں اور اجنبی پڑوسیوں اور پاس کے بیٹھنے والوں، اور مسافروں اور جو لونڈی غلام تمہارے قبضہ میں ہیں ان سب کے ساتھ حسنِ سلوک کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتا جو اترائیں اور بڑائی مارتے پھریں۔

زید بن حارثہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے غلام تھے جو اسلام سے پہلے سے آپ کے پاس رہتے تھے، آپ کا برتاؤ اُن کے ساتھ اس درجہ کریمانہ تھا کہ لوگ عموماً ان کو زید بن محمد کہتے تھے اور خود زیدؓ کو بھی آپ سے اس درجہ محبت تھی کہ ایک مرتبہ اُن کے خاندان کے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ فدیہ لے کر آزاد کر دیجیے۔ آپؐ نے فرمایا "زید سے پوچھ لو۔ اگر وہ تم لوگوں کے ساتھ جانا چاہتے ہیں تو شوق سے چلے جائیں"۔ زیدؓ سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے آپؐ کی غلامی کو اپنے قبیلہ کی آزادی پر ترجیح دی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے ایک اور خادم حضرت شقران صالحؓ تھے جن کو اُن کے آقا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں بطورِ نذر پیش کر دیا تھا۔ حضرت شقران حبشی نژاد تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم ان کی خدمات سے بیحد خوش تھے۔ یہاں تک کہ وفات کے وقت آپؐ نے مخصوص طور سے اِن کے ساتھ حسنِ سلوک کی وصیت فرمائی[1]۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

کان اٰخر کلامِ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الصلوة اتقوا اللّٰہ فیما ملکت ایمانکم[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا آخری کلام یہ تھا کہ نماز کا خیال رکھو، نماز کا اور جو تمہارے باندی غلام ہیں اُن سے معاملہ کرنے میں اللہ سے ڈرو۔

ایک اور مقام پر آپ ارشاد فرماتے ہیں۔

حسن الملکۃِ نماءٌ وسوءُ الخلق شومٌ[3]

غلام سے اچھا برتاؤ کرنا برکت کا باعث ہوتا ہے اور بد خلقی، بد بختی و بد نصیبی ہے۔

---

[1] اسد الغابہ ذکر حضرت شقران و طبقات ابن سعد [2] ابوداؤد باب فی حق المملوک [3] ابوداؤد باب فی حق المملوک

غلام کا امن دینا معتبر ہے

اسلام میں غلام کا قول ایک حُر کی طرح نافذ ہوتا ہے جنگ میں کسی شخص کو امن دینے کا معاملہ بہت ہی اہم ہے۔ اسلام کی عبد نوازی دیکھیے کہ اس معاملہ میں بھی غلام کے قول کو معتبر قرار دیا ہے۔ حضرت عمرؓ ایک سردار کو لکھتے ہیں۔

اِنَّ عبد المسلمین من المسلمین	مُسلمانوں کا غلام مسلمانوں میں سے ہے اور
و ذمتہٗ من ذمّتِھِمْ	اسکا عہد بھی مُسلمانوں کے عہد ہی کی طرح ہے۔ اُس کا
یُجوز اَمانُہٗ (ابوداؤد باب فی حق المملوک)	امن دینا جائز ہے۔

سوس کی جنگ سے فارغ ہو کر حضرت ابو سبرۃ لشکر کو لیے ہُوئے "جندیسا پور" پہنچے تو دیکھا کہ زِر بن عبداللہ بن کلیب پہلے سے وہاں کا محاصرہ کیے ہُوئے ہیں۔ اَب ان دونوں نے متفق ہو کر جندیسا پور پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ صُبح شام جنگ ہوتی تھی۔ اسی اثناء میں مُسلمانوں کے ایک غلام نے جس کا نام مُکْنِفْ تھا، شہر والوں کے پاس ایک پروانۂ امن لکھ کر بھیج دیا۔ مُسلمان اس سے بے خبر تھے کفّار نے امن پا کر قلعہ کے دروازے کھول دیے اور باہر چلے آئے۔ مُسلمانوں نے پُوچھا کیا بات ہے ؟ کہنے لگے "تم ہمیں امن دے چکے ہو اور اس کے باوجود لڑنے پر تُلے ہُوئے ہو"۔ مُسلمانوں کو جب اصل واقعہ کی اطلاع ہُوئی تو اُن میں سے بعض نے کہا کہ "وہ امن تو غلام کا دیا ہُوا ہے، معتبر نہیں" اہل جندیسا پور بولے "ہم تو تمہارے آزاد اور غلام میں کوئی فرق نہیں دیکھتے۔ تمہارے ایک فرد نے امن دیا تو معتبر ہونا چاہیے۔ مُسلمانوں نے پُورے واقعہ کی اطّلاع حضرت عمرؓ کے پاس بھیجی تو آپؓ نے اُن کو لکھا :

اِنَّ اللہَ عَظَّمَ الوفاءَ	اللہ نے وفاءِ عہد کا مرتبہ بہت بڑا کیا ہے اور تم اُس
فَلَا تکونونَ اوفیاءَ حتّٰی	وقت تک اپنے عہد کو پُورا کرنے والے نہیں ہو گے جب تک
تفُوا ذمّتکُم فی	اُسکو پُورا پُورا نہیں کر دو گے۔ جب تک تم کو (کفّار کی طرف
شكٍّ اَجیزُھُم	سے) شک رہے (اور اُن کے غدر کا یقین نہ ہو) تم وفا کرتے
وفوا لھم	رہو اور جس چیز کا وعدہ کر دو اُسے دو۔

چنانچہ اسلامی لشکر نے غلام مُکْنِفْ کے امن کو معتبر قرار دے کر باقی رکھا اور واپس چلے آئے [1]
اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد مصر کے دورِ حاضر کا ایک نامور مصنّف لکھتا ہے۔

---

[1] طبری ج : ۴ ذکر فتح سوس

ولـولـم یَعْلَمْ ھٰذا الْعَبْدُ من اخلاقِ	اگر غلام اِن عظیم الشّان فاتحین کے اخلاق سے متعلق یہ نہ
اولٰئك الفاتحین السامیة اَنّھُمْ	جانتا ہوتا کہ یہ غلام کے امن دینے کا اعتبار کرتے ہیں اور
یجیزون اَمَانَہٗ وَاَنَّ اخلاقھُمْ	نیز یہ کہ ان کے اخلاق کریمہ اور نفوس شریفہ ہر فاتح سے
الکریمةِ ونفوسَھُمْ الشریفةَ فوق	بلند اور بالا ہیں تو یہ کبھی اپنی قوم کے نام امن نامہ بھیجتا
کُلِّ فاتح محارب لما رمٰی لِقومِہٖ بالامانِ	اور اُن کو قلعوں پر سے نہ اُتارتا۔
واستنزلَھُمْ مِن المعاقل	(اشہر مشاہیر الاسلام، ج:۱، ص:۳۳۲)

غلاموں کی تعلیم اسلامی تعلیم کی رو سے صحابۂ کرام نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ غلام اور باندیاں صرف اُن کی خدمت کے لیے ہیں بلکہ وہ اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی طرح اُن کی تعلیم و تربیت کا بھی اہتمام کرتے تھے ایک دفعہ قیساریہ کے چار ہزار غلام گرفتار ہو کر آئے تو حضرت عمرؓ نے اُن میں سے بعض کو مکتب میں داخل کر دیا۔[۱]

ابو عامر سلیمؒ جو رواۃ حدیث میں ہیں اپنے متعلق خود کہتے ہیں کہ مَیں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ آیا تو یہاں مجھ کو مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ معلّم مُحمّدؐ سے جب "میم" لکھواتا تھا اور مَیں اچھی طرح لکھ نہیں سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول لکھو جیسی گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔ (بحوالہ الفاروق)

حمران بن ابان حضرت عثمانؓ کا مشہور غلام ہے آپ نے اُس کو خرید کر لکھنا سکھایا اور میر منشی بنایا۔[۲] صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مکاتب میں آزاد بچّوں کے ساتھ غلاموں کے لڑکے بھی تعلیم پاتے تھے۔

لونڈیوں کی تعلیم و تربیت غلاموں کی طرح لونڈیوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرنے کی بھی ترغیب دی گئی ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔

تین شخص ایسے ہیں جن کو دو بڑے اجر ملیں گے۔ ایک وہ جو اپنی باندی کو تعلیم دے اور خُوب اچھی تعلیم دے، اُس کو ادب سکھائے اور خُوب سکھائے اور پھر اُس کو آزاد کر کے خود اُس سے نکاح کر لے۔ دوسرا وہ شخص ہے جو اہلِ کتاب تھا اور پھر اسلام لے آیا۔ تیسرا وہ شخص ہے جو اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور اپنے سیّد

---

[۱] فتوح البلدان ص:۱۴۹ [۲] فتوح البلدان ص:۳۷۰

کی خیر خواہی بھی کرتا ہے[1]

اب کہیے! کسی باندی کے لیے کسی آقا کا گھر (بشرطیکہ وہ اسلام کی تعلیم پر واقعی طور سے عمل پیرا ہونا چاہتا ہے) ایک قید خانہ ہے یا بہترین مدرسہ و تربیت گاہ۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا کہ یارسول اللہ! ہم غلام سے کتنی مرتبہ درگزر کریں۔ آپ یہ سُن کر خاموش ہوگئے۔ سائل نے پھر سوال کیا۔ آپ پھر بھی خاموش رہے۔ اُس نے تیسری مرتبہ پھر اس سوال کا اعادہ کیا۔ اب آپ نے ارشاد فرمایا۔

اعفوا عَنْہ فی کل یومٍ سبعین مَرّۃً[2]　　　ہر روز ستّر مرتبہ اُس سے درگزر کرو۔

حضرت عمرؓ کے پاس سفیان بن الاسود کی ایک جاریہ آئی اور شکایت کی کہ سفیان نے مجھ کو ایک جلتی انگیٹھی پر بٹھادیا۔ حضرت عمرؓ نے فوراً اُس کو آزاد کرنے کا حکم دیا اور وہ آزاد کردی گئی۔

ایک مرتبہ ایک شخص[3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چراتی ہے اُس سے ایک بکری گم ہوگئی ہے، مَیں نے پُوچھا تو کہنے لگی، "بھیڑیا لے گیا"۔ مجھ کو بڑا غصّہ آیا، آخر انسان تھا ہی۔ مَیں نے اُس کے ایک چپت ماردیا۔ اب اگر حکم ہو تو مَیں اس خطا کے بدلے میں اُسے آزاد کردوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کو بُلایا اور دریافت کیا: خدا کہاں ہے؟ وہ بولی آسمان میں۔ پھر آپؐ نے پُوچھا: مَیں کون ہوں؟ اُس نے کہا آپؐ اللہ کے رسول ہیں، یہ سُن کر آپؐ نے حکم دیا "اس کو آزاد کردو"[4]

اگر کوئی شخص غلام کے ساتھ سختی کا معاملہ کرے۔ اُس کو شدید تکلیف پہنچائے تو اس صورت میں اس پر سب کا

---

[1] بخاری باب فضل من اسلم من اہل الکتاب　　[2] ابوداؤد، ج: ۴، ص: ۳۴۱ مطبوعہ مصر۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ستّر سے مُراد بیان عدد نہیں بلکہ کثرت مُراد ہے یعنی اگر بہت مرتبہ بھی غلام سے خطا ہو تو اُس کو معاف کردو، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: "اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَھُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ"۔ [3] موطا امام مالک میں اس راوی کا نام عمر بن الحکم لکھا ہوا ہے، لیکن ابن عبدالبر فرماتے ہیں "یہ وہم ہے" صحابہ میں کوئی عمر بن الحکم نہیں۔ بلکہ یہ صاحب معاویہ بن الحکم ہیں اور اُن کی یہ حدیث معروف ہے۔ [4] موطا امام مالک باب مایجوز من العتق فی الرقاب الواجبۃ و مسلم باب صحبۃ الممالیک۔

اتّفاق ہے کہ اگر غلام کسی حاکم کے پاس اس کا مرافعہ کرے تو اُس کو چاہیے کہ آقا کا جرم ثابت ہونے پر اُس کو قرار واقعی سزا دے۔ البتّہ غلام کے خود بخود آزاد ہو جانے میں اختلاف ہے، لیکن امام مالکؒ، اُن کے اصحاب اور لیثؒ کا مذہب یہی ہے کہ غلام آزاد ہو جائے گا خواہ اُس کا آقا اُسے آزاد کرے یا نہ کرے، اور اس کا ولاء اس کو ملے گا۔[1]

غلاموں سے سخت کام نہ لینا چاہیے

احادیث و آثار میں کثرت سے جگہ جگہ امر فرمایا گیا ہے کہ غلاموں سے اُنکی ہمّت و طاقت کے مطابق ہی کام لینا چاہیے۔ ایک بار ایک شخص حضرت سلمان فارسیؓ کے یہاں آیا دیکھا کہ بیٹھے ہوئے آٹا گوندھ رہے ہیں۔ بولا "غلام کہاں ہے؟" فرمایا "ایک کام کے لیے گیا ہے۔ اب یہ پسند نہیں کہ اُس سے دو دو کام لوں"۔[2]

حضرت عثمانؓ کی عادت تھی کہ رات کو اُٹھ کر وضو کا پانی خود لیتے اور خادم کو نہیں جگاتے تھے۔ کسی لے سبب پُوچھا تو فرمایا "رات اُن کے آرام کرنے کے لیے ہے"۔[3]

ظلم پر تہمت تراشی

بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

مَنْ قذف مَمْلُوکَہٗ وھو بَرِیٌٔ مِمَّا قَالَ جُلِدَ یوم القیامَۃِ اِلَّا ان یکونَ کَمَا قَالَ۔	جو شخص اپنے کسی غلام پر تہمت لگائے اور وہ اُس سے بری ہو اُس کو قیامت کے دن کوڑے لگائے جائیں گے مگر یہ کہ ایسا ہی ہو جیسا کہ اُس نے کہا ہے۔

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں۔

جُلِدَ لہٗ یومَ القیامَۃِ حَدًّا	بہ طور حد کے اُس کو قیامت کے دن سزا دی جائیگی

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ دُنیا میں بھی اُس پر حد قذف جاری ہوگی۔ اس کے متعلق مہلبؒ کہتے ہیں کہ تمام ائمہ کا اجماع ہے کہ آقا پر حد قذف لگائی جائے گی، لیکن حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں مہلب کے اس قول کے متعلق "فیہ نظرٌ" (اس میں کلام ہے) کہا ہے اور حضرت نافعؒ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابنِ عمرؓ سے ایک مرتبہ سوال کیا گیا کہ جو شخص کسی ام ولد پر تہمت لگائے اُسکا حکم کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا:

یُضْرَبُ الحَدُّ صَاغِرًا	ذلیل کرنے کے لیے اُس کو حد ماری جائے۔

---

[1] نووی شرح مسلم باب صحبۃ الممالیک [2] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت سلمانؓ [3] طبقات ابن سعد تذکرہ حضرت عثمانؓ

حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ ابن منذرؒ کہتے ہیں کہ امام مالکؒ اور ایک جماعت نے یہی کہا ہے کہ ام ولد کے قاذف پر حد جاری کی جائے گی۔

غلام اگر خدا کی دہائی دے تو نہ مارو غلام خواہ کسی واقعی خطا پر ہی مارا جا رہا ہو لیکن اگر وہ پٹتے پٹتے اللہ کا نام لے دے (دہائی دے) تو حکم ہے کہ اُس سے ہاتھ روک لینا چاہیے

ارشاد نبوی ہے

اذا ضرب اَحَدُکُمْ خَادِمَہٗ فذکر اسمَ اللّٰہِ فَلْیُمْسِکْ [1] تم میں سے کوئی شخص اپنے نوکر کو مار رہا ہو اور وہ اللہ کا نام لے تو اُس سے ہاتھ روک لینا چاہیے۔

غلام کے لیے حدود و عقوبات از روئے احکامِ فقہ غلاموں کے لیے حدود و عقوبات بہ نسبت احرار کے نصف ہیں، مثلاً جس جرم کی پاداش میں حُر کے لیے اسّی کوڑے ہیں اگر وہی جُرم غلام سے سرزد ہوگا تو اُس کو چالیس کوڑے مارے جائیں گے۔ حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے کہ غلاموں کے آقا اُن پر حد سے زیادہ مظالم نہ کریں، فرماتے ہیں۔

فلو شُرِعَ فِیْھِمْ مزجرۃ بالغۃ اقصی المبالِغ لَفتحَ ذٰلک باب العدوانِ بِاَنْ یَّقْتُلَ المولیٰ عَبْدَہٗ ویَحْتَجُّ بِاَنَّہٗ زَانٍ ولا یکون سبیل المواخذۃِ عَلیہِ فَنقصَ مِنْ حَدِّھِمْ وجَعَلَ مالا یُفْضِیَ الَی الْھَلَاکَ [2]

اگر غلاموں کے لیے انتہائی سزا (جو آزاد لوگوں کے لیے ہے) مشروع کردی جائے تو اُس سے ظلم وجور کا دروازہ کھل جائیگا اسطرح پر کہ ایک آقا اپنے غلام کو قتل کردیگا اور بہانہ یہ کریگا کہ اُس نے زنا کیا تھا اور پھر اُس سے کوئی باز پرس بھی نہیں ہوگی اس بنار پر غلاموں کے حدود کو اس حد تک کم کر دیا گیا ہے کہ ہلاکت پر منتج نہ ہوں۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۲، ص: ۱۶۰)

اس خوف سے کہ کہیں غلام کی سزا اس کی خطا سے نہ بڑھ جائے آقا کو حد درجہ محتاط رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

من ضرب غلامًا لَہٗ حَدًّا لم یأتِہٖ اولَطَمَہٗ فَاِنَّ کفارتہ ان یُّعْتِقَہٗ جو شخص اپنے غلام کو بطور حد کسی ایسی خطا پر مارتا ہے جو اُس نے نہیں کی یا اُسکو طمانچہ مارتا ہے اُسکا کفارہ یہ ہے کہ وہ اُس کو آزاد کرے۔

صحابۂ کرامؓ اسکا خاص طور پر خیال رکھتے تھے کہ کہیں غلام کو محض غلام ہونے کی وجہ سے زیادہ سزا نہ مل

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج: ۲ ونیل الاوطار ج: ۷

جائے۔ ایک غلام نے ایک شخص کے باغ سے کھجور کا خوشہ چرا لیا۔ مروان بن الحکم اُس وقت مدینہ کا گورنر تھا۔ باغ کے مالک نے اُس کے سامنے غلام کے خلاف شکایت کی۔ مروان نے غلام کو قید کر دیا اور چاہا کہ اُس پر حدِ سرقہ جاری کر کے ہاتھ کاٹ ڈالے۔ غلام کا آقا حضرت رافع بن خدیج رضؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاملہ جیسا کچھ تھا اُن کے روبرو پیش کر دیا۔ اُنھوں نے کہا "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پھل کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاسکتا" اُس نے کہا "تو ذرا مروان کو بھی آپ یہ حدیث سُنا دیجیے"۔ حضرت رافع گئے اور مروان کو یہ حدیث سُنائی تو اُس نے غلام کو فوراً رہا کر دیا۔[1]

غلام کے خصّی کرنے کی ممانعت غلام کو خصّی کرنے کی رسمِ بد بہت پُرانی تھی۔ اشوری، بابلی اور قدیم مصری ان سب کے ہاں اسکا قدیم سے رواج تھا۔ انہی لوگوں سے یونانیوں نے اختیار کیا۔ پھر رُومیوں اور فرنگیوں میں بھی اسکا رواج عام ہوگیا۔ کہتے ہیں حضرت عیسیٰؑ سے دو ہزار برس قبل اشوریا کی ملکہ سمیرا نے اس رسمِ بد کی ایجاد کی تھی۔

ظاہر ہے اسلام ایسا دینِ حق اس طرح کے بہیمانہ افعال کی اجازت کیونکر دے سکتا تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ خصّٰی عَبْدَہٗ خَصَّیناہُ[2] جو کوئی شخص اپنے غلام کو خصّی کرے گا ہم بھی اُسکو خصّی کرینگے

زنباع بن سلامۃ الجذامی نے ایک مرتبہ ایک غلام کو اپنی جاریہ کے ساتھ مخالطت کرتے ہوئے دیکھ لیا۔ اُنھوں نے غصّہ میں غلام کی ناک کاٹ لی اور اُسے خصّی کر دیا۔ غلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پورا واقعہ کہہ سُنایا۔ آپؐ نے زنباع سے دریافت کیا "تم کو ایسا کرنے پر کس چیز نے آمادہ کیا۔ زنباع نے جو اصل واقعہ تھا بیان کیا۔ آپؐ نے غلام سے فرمایا جا تو آزاد ہے"۔[3]

غلاموں کی عیادت اسود بن ابی زید سے روایت ہے کہتے ہیں کہ جب کوئی وفد حضرت عمرؓ کے پاس آتا تھا تو آپ اُس سے دریافت کرتے تھے۔ "تمہارے علاقہ کا گورنر کیسا ہے؟ وہ کہتے بہت اچھا آدمی ہے"۔ پھر آپ دریافت کرتے "وہ تمہارے بیماروں کی عیادت کرتا ہے یا نہیں"؟ وہ جواب دیتے "جی ہاں" آپ سوال کرتے کہ "غلاموں کی عیادت کرنے بھی جاتا ہے یا نہیں"۔ وہ کہتے کہ "ہاں جاتا ہے"۔ بعد

---

[1] ابوداؤد، کتاب الحدود باب مالا یقطع فیہ [2] ابوداؤد باب من قتل عبدہٗ

[3] زرقانی شرح موطا امام مالک باب جامع القضاء فی العتاقۃ

ازاں آپ دریافت کرتے کہ ضعیفوں اور کمزوروں کے ساتھ اُس کا برتاؤ کیسا ہے؟ ان غریبوں کو اُس کے دروازہ پر بیٹھنے کی اجازت بھی ہے یا نہیں۔" وہ اثبات میں جواب دیتے۔ اگر ان سوالات میں سے کسی ایک سوال کے جواب میں بھی یہ لوگ "نہیں" کہہ دیتے تو حضرت عمر رضؓ گورنر کو معزول کر دیتے تھے[1]

غلام کی دعوت قبول کرنا

بزار نے جابر رضؓ سے ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم غلاموں اور باندیوں کی دعوت قبول کرتے تھے اور اُن کے ہاں تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ ایک درزی غلام کے پاس تشریف لے گئے، اُس نے خدمتِ اقدس میں ایک پیالہ پیش کیا جس میں کدو پڑا ہُوا تھا حضورِ پُرنور نے اُسے بڑی خوشی کے ساتھ قبول فرمالیا اور تناول کیا۔[2]

غلام امامت کرتے تھے

آج کل مسجدوں کی امامت بالعموم ایسے لوگوں کے سپرد ہوتی ہے جو علم و فضل اور شرف و کمال کے اعتبار سے کسی بلند شخصیت کے مالک نہیں ہوتے، لیکن درحقیقت اسلام میں یہ بہت بڑا شرف و امتیاز ہے جب تک رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم اس دُنیا میں تشریف فرما رہے خود نماز پڑھاتے رہے۔ اخیر وقت میں آپؐ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا جس سے اشارہ اس بات کی طرف تھا کہ آپؐ کے بعد خلافت حضرت ابوبکر رضؓ کو ہی ملنی چاہیئے چنانچہ ایسا ہی ہُوا امامتِ صلوٰۃ کی اس اہمیّت کو معلوم کرنے کے بعد آپ کو شاید تعجّب ہو کہ یورپ اسلام جس غلام کو انتہا درجہ کا ذلیل و خوار سمجھتا ہے وہ مسلمانوں میں اتنا معظّم و محترم ہے کہ نماز کی امامت کرتا ہے اور بڑے بڑے صحابہ جلیل المرتبت اس کی اقتدا میں نماز پڑھتے تھے۔ حضرت ابن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ ابو حذیفہ کے غلام سالم رضؓ نماز میں امامت کرتے تھے اور آپ کی اقتدا میں مہاجرین اوّلین جن میں حضرت ابوبکر رضؓ و عمر رضؓ، ابوسلمۃ رضؓ، زید اور عامر بن ربیعہ رضؓ بھی شامل ہوتے تھے۔ نماز پڑھتے تھے[3]

امام بخاری روایت مذکور کو جس باب کے ماتحت لاتے ہیں اس کا ترجمہ استفضأ الموالی واستعمالھم ہے۔ حافظ ابن حجر رحؒ نے فتح الباری میں حدیث کے ساتھ ترجمہ کی مناسبت یہ لکھی ہے کہ امامتِ صلوٰۃ دینی کاموں میں سب سے بڑا اور اہم کام ہے اور جب اس حدیث کے مطابق ایک غلام اس شرف کا مستحق سمجھا جاسکتا ہے تو گورنری، تحصیل داری اور ججی وغیرہ ایسے عہدوں

---

[1] تاریخ الطبری، ج: ۵، ص: ۲۳　　[2] شرح الشفا للشہاب ج: ۲، ص: ۷۷

[3] صحیح بخاری باب استفضاء الموالی واستعمالھم

سے بدرجہ اولیٰ فائز ہو سکتا ہے۔[1] حضرت عمرؓ نے جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ کا قاضی بنا کر بھیجا تو عمار بن یاسرؓ کو جو آزاد کردہ غلام تھے کوفہ کا امامِ نماز اور کپتانِ فوج بنایا۔[2]

غلام کی ملکیّت اسلام سے پہلے جو غلام ہوتے تھے کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے تھے لیکن اسلام نے غلام معتق کی ملکیت کو تسلیم کیا ہے۔ بریرہؓ حضرت عائشہؓ کی باندی تھیں۔ کسی شخص نے آپ کو گوشت ہبہ کیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم گھر میں تشریف لائے تو دریافت کیا "کچھ ہے"؟ بریرہ بولیں کہ "جی ہاں گوشت موجود ہے، مگر فلاں نے مجھ کو صدقۃً دیا ہے۔ آپ نے فرمایا "لکِ صدقۃ ولنا ھدیۃ" (وہ گوشت تیرے لیے تو صدقہ ہے مگر ہمارے لیے ہدیہ ہے) اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غلام بھی اشیاء کا مالک ہو سکتا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کے وظائف و عطیات مقرّر کیے تو اُن میں غلاموں کا بھی حصّہ تھا پس اگر غلام کے لیے ملکیّت نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کیوں غلاموں کا حصّہ اُن کے آقاؤں سے الگ مقرّر کرتے۔

غلامی غلاموں کے لیے رحمت تھی اسلام کی ان تعلیمات کا یہ نتیجہ تھا کہ غلاموں کو بزمانہ غلامی ایسی راحت و آسائش ملتی تھی جو اُنہیں آزاد ہونے کے بعد بھی یاد آتی تھی بلکہ بعض بعض غلاموں کا حال تو یہ تھا کہ آزادی کا پیغام سُنتے ہی دل گرفتہ و حسرت زدہ ہو کر رہ جاتے تھے۔ ابورافع کو آزاد کیا گیا تو رونے لگے۔ لوگوں نے سبب دریافت کیا۔ فرمایا کہ پہلے میرے لیے دو اجر تھے، اَب ایک ہی اجر رہ گیا۔[3]

بخاری اور مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر جہاد نہ ہوتا اور حج اور ماں کے ساتھ نیکی کرنے کا فرض مجھ پر عائد نہ ہوتا تو مَیں اس بات کو پسند کرتا کہ میں مروں درآنحالیکہ میں غلام ہوں۔[4]

غلاموں کے لیے اجر کی زیادتی ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی علیہ وسلّم نے فرمایا کہ "جنّت میں سب سے پہلے جانے والا وہ غلام ہے جو اللہ کی اور اپنے آقا کی اطاعت کرتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے روایت ہے کہ جنّت میں نہ بخیل داخل ہوگا نہ دھوکہ باز اور نہ

---

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر ج: ۱۳، ص: ۱۴۳ [2] فتوح البلدان بلاذری باب یوم جلولاء الوقیعہ

[3] یہ روایت اسی کتاب میں "غلام نصیحت کر سکتا ہے" کے زیرِ عنوان گزر چکی ہے۔ [4] الترغیب والترہیب ج: ۲، ص: ۲۵۵

وہ جو اپنی ملکیّت کو بُرے طور سے استعمال کرتا ہے اور جنّت کا دروازہ کھٹکھٹانے میں وہ لوگ سب سے پہلے ہوں گے جو غلام ہیں اور وہ اللہ کے اور اپنے حقوق ادا کرتے ہیں۔[1]

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص جنّت میں داخل ہوکر دیکھے گا کہ اُس کا غلام اُس سے اُوپر کے درجہ میں ہے۔ وہ کہے گا "اے خدا یہ تو میرا غلام ہے" جواب ملے گا "میں نے اس کو اُس کے عمل کا اور تجھ کو تیرے عمل کا بدلہ دیا ہے"۔[2]

غلام سیادت کرتے تھے

غلاموں کو سوشل زندگی میں بھی احرار کے ساتھ پُوری مساوات تھی۔ اسلام کی ان تعلیمات کا اثر یہ تھا کہ مسلمان غلاموں اور باندیوں کی تعلیم و تربیت میں بالکل اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی طرح اہتمام کرتے تھے اور اُن کو فضل و ہُنر اور علم و ادب کے حاصل کرنے میں پُوری آزادی دی اور پھر علم و کمال کے زیور سے آراستہ ہوکر جو غلام سوسائٹی میں آئے اُن کی کماحقّہٗ تعظیم و تکریم کی گئی۔ غلامی کا نشانِ داغ اُن کے فضل و کمال کے لیے ساتر نہیں ہو سکا۔ امارت و سیادت کے لیے صرف حسنِ قابلیّت اور اس عہدہ کی اہلیّت و لیاقت شرط تھی۔ غلام اور آزاد کا اس میں کوئی فرق نہیں تھا

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے شام کی مہم پر لشکر بھیجنا چاہا تو اُس کی قیادت حضرت اُسامہؓ کے سُپرد کی حالانکہ وہ اُس وقت صرف اٹھارہ برس کے نوجوان غلام تھے۔ اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابی شریک تھے۔ سب نے اُسامہؓ کی اطاعت کی خلیفۂ اسلام حضرت ابوبکرؓ دُور تک لشکر کی مشایعت کو تشریف لے گئے اور اس شان سے کہ اُسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور ابوبکر صدّیقؓ ان سے لگے ہوئے پا پیادہ چل رہے تھے۔ حضرت اُسامہؓ بولے "یا تو آپ سوار ہو جائیے، ورنہ میں بھی پیدل چلوں گا"۔ آپ نے فرمایا "نہیں اللہ کی قسم تم گھوڑے سے نہیں اُترو گے اور مَیں بھی سوار نہیں ہوں گا"۔

زہری کہتے ہیں "میں ایک مرتبہ عبدالملک بن مروان کے پاس آیا تو اُس نے مجھ سے پُوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ مَیں نے کہا "مکّہ سے" اسکے بعد مجھ میں اور عبدالملک میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

---

[1] رواہ احمد و ابویعلی باسنادٍ حسن

[2] یہ روایتیں میں نے الترغیب والترہیب باب ترغیب المملوک فی اداءِ حق مولاہ سے لی ہیں۔

عبدالملک: "تمہاری روانگی کے وقت (مکّہ سے) اہلِ مکّہ کا سردار کون تھا؟"

زہری: عطاء بن رباح!

عبدالملک: وہ عرب ہے یا غلام؟

زہری: غلام

عبدالملک: "تو پھر عرب کا سردار کیونکر ہوگیا؟"

زہری: "دیانت اور روایت کی وجہ سے"

عبدالملک: بے شک اہلِ دیانت و روایت ہی سرداری کے مستحق ہیں۔

پھر عبدالملک نے دریافت کیا۔ "اچھّا اہلِ یمن کا سردار کون ہے؟"

زہری: طاؤس بن کیسان!

عبدالملک: عرب ہے یا غلام

زہری: غلام

عبدالملک: تو پھر یمن کا سردار کیونکر ہوگیا؟

زہری: جس بناء پر کہ عطاء اہلِ مکّہ کا سردار ہے۔

عبدالملک: بے شک جو شخص عطاء کی طرح صاحبِ دیانت و روایت ہو اُس کو سیادت کا حق ہے اچھّا اہلِ مصر کا سردار کون ہے؟

زہری: یزید بن حبیب۔

عبدالملک: عرب ہے یا غلام

زہری: غلام

اس پر عبدالملک نے پھر وہی کہا کہ غلام عرب کا سردار کیونکر ہوگیا۔ اور زہری نے بھی حسب معمول وہی جواب دیا، اور اُس کو سُن کر عبدالملک نے پھر وہی کہا کہ بے شک صاحبِ دیانت و روایت شخص سیادت کا مستحق ہے۔ عبدالملک نے گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے پھر پوچھا۔ "اہلِ شام کا سردار کون ہے؟

زہری: مکحول الدمشقی

عبدالملک: عرب ہے یا غلام؟

زہری : غلام، اور غلام بھی کیسا ! حبشی، قبیلۂ ہذیل کی ایک عورت کا آزاد کردہ غلام ہے۔

عبدالملک : اہلِ جزیرہ کا سردار کون ہے ؟

زہری : میمون بن مہران !

عبدالملک : عرب ہے یا غلام ؟

زہری : غلام !

عبدالملک : اچھا اہل حرم کا سردار کون ہے ؟

زہری : ضحاک بن مزاحم

عبدالملک : عرب ہے یا غلام ؟

زہری : غلام

عبدالملک : بصرہ کا سردار کون ہے ؟

زہری : حسن بن ابی الحسن

عبدالملک : عرب ہے یا غلام ؟

زہری : غلام

عبدالملک : اچھا ! اہلِ کوفہ کا سردار کون ہے ؟

زہری : ابراہیم النخعی

عبدالملک : عرب ہے یا غلام ؟

زہری : عرب

عبدالملک نے ابراہیم النخعیؒ کا نام سُنا جو عرب تھے تو فرطِ مسرّت میں کہنے لگا : " زہری تو برباد ہو ! تُو نے اَب میری تشویش کو دُور کر دیا، اس کے بعد خود ہی کہا " اللہ کی قسم غلاموں کو بڑے بڑے لوگوں پر سردار ہونا چاہیے، یہاں تک کہ اُن کے نام کے خطبے برسرِ منبر پڑھے جائیں اور عرب اُن کے نیچے ملیٹھے ہوتے ہوں "

زہریؒ کہتے ہیں " مَیں نے کہا : ہاں بے شک اے امیر المومنین سرداری اللہ کا حکم اور اس کا دین ہے، جو کوئی اُس کی حفاظت کرے گا سردار ہو گا اور جو اُس کو ضائع

کردے گا ذلیل وخوار ہوگا[1]

نُصیّب عربی کا ایک مشہور شاعر اور غلام ہے۔ اُس نے اپنا ایک قصیدہ عبدالملک کے سامنے پڑھا، اور اُس نے خوش ہوکر نصیب کو ایک رقمِ کثیر دی۔ اُس پر کسی شخص نے کہا "یہ تو غلام سیاہ فام ہے"۔ عبدالملک بولا، "یہ اگرچہ سیاہ ہے اس کے اشعار تو سفید ہیں"۔[2]

جو غلام اپنے علم وفضل کی وجہ سے یا کسی خاص فن میں مہارت رکھنے کے باعث مُسلمانوں کے سرتاج تھے اور احرار وشرفاء تک اُن کی توقیر کرتے تھے اُن میں سے اکثر مشہور غلاموں کے حالات ہم نے کتاب کے دوسرے حصّے میں لکھے ہیں اُن کو دیکھنا چاہیے۔

غلاموں کی اعانت کے لیے اوقاف

اسلام نے مسلمانوں میں غلاموں کو آزاد کرنے اور آزاد کرانے کا اور اُن کو نظرِ استحقار سے نہ دیکھنے کا جو ولولہ پیدا کیا تھا اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو مُسلمان صاحب ثروت ہوتے تھے اپنی رقم کا ایک حصّۂ کثیر اس مصرف میں صرف کرتے تھے بلکہ محض غلاموں کی امداد کے لیے وقف کرجاتے تھے۔ دمشق میں ایک وقف تھا جو وقف زبادی کے نام سے مشہور تھا۔ ابن بطوطہ اس کی نسبت لکھتا ہے کہ یہ ایک مکان ہے جہاں چینی کے بڑے بڑے برتن رکھے رہتے ہیں۔ اصحابِ وقف نے اس مکان کو اس غرض سے وقف کیا ہے کہ اگر کسی غلام سے اپنے آقا کا کوئی برتن ٹُوٹ جائے تو وہ اُس کو اس مکان میں رکھ جائے اور اس کے بدلہ میں یہاں سے کوئی دوسرا اچھّا برتن لے جائے۔

اسی طرح کا ایک وقف ٹیونس میں تھا، اور فارس میں بھی۔[3]

اِن اوقاف کے علاوہ مُسلمان اس کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کافر غلاموں کو دے کر مُسلمان غلام لے لیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ مُسلمان غلام دارالحرب سے دارالاسلام میں آنے کے بعد فوراً آزاد ہو جاتے تھے اور دوسری طرف کافر غلام بھی دارالکفر میں پہنچ کر آزاد ہوجاتے ہوں گے۔

شیخ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں "امام ابوحنیفہؒ، امام ابویُوسفؒ، امام محمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ

---

[1] یہ واقعہ ادب کی متعدد کتابوں میں مذکور ہے مگر ہم نے تفسیر روح البیان ج ۳، ص: ۳۲۱ سے لیا ہے طوالت کے باوجود پورا واقعہ من وعن اس لیے نقل کردیا ہے کہ عبدالملک اور حضرت زہریؒ کی اس گفتگو سے غلام کے متعلق اسلامی تخیل پہ روشنی پڑتی ہے۔

[2] الکامل للمبرد ج: ۲ [3] حاضر العالم الاسلامی ج: ۳، ص: ۸-۹۔

اور امام احمدؒ سب اس پر متفق ہیں کہ اگر دشمن مسلمان اسیروں سے اپنے اسیروں کا تبادلہ کر لینے پر راضی ہو تو تبادلہ کر لینا چاہیے۔[1]

اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد کفار کے ہاں غلاموں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا تھا وہ بہت بھیانک ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ان کے سامنے اسلام میں غلامی کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے ذہن میں غلامی کی وہی تصویر آتی ہے جو ان کے اپنے ہاں ہوتی تھی۔

موسیو گستا لیبان اپنی مشہور کتاب "تمدّن عرب" میں لکھتا ہے۔

"غلامی کا لفظ جب اس یورپین شخص کے سامنے بولا جاتا ہے جو امریکن ناولوں اور روایتوں کے پڑھنے کے عادی ہیں جن کا سلسلہ تیس سال سے جاری ہے تو اس کے ذہن میں فوراً تصور پیدا ہو جاتا ہے ان غریبوں کا جو زنجیروں میں بندھے ہوئے ہوں اور اُن پر کوڑے برسائے جا رہے ہوں اور پھر ان بیچاروں کو بقائے حیات کے لیے کافی غذا بھی نہ ملتی ہو اور رہنے کے لیے تیرہ و تار کوٹھڑیاں نصیب ہوتی ہوں مجھ کو اس سے بحث نہیں کہ یورپ میں جو غلام ہیں اُن پر یہ تمام باتیں صادق آتی ہیں یا نہیں لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام میں غلاموں کا جو تصوّر ہے وہ عیسائیوں کے غلاموں کے تصوّر سے بالکل مختلف ہے۔"[2]

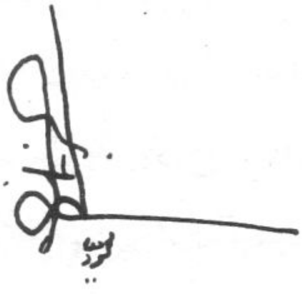

---

[1] فتح القدیر ج:۴، ص:۳۰۶

[2] اسلام میں غلامی کی حقیقت ج:۱، ص:۲۱۷

مولای صل وسلم دائما ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم

درس

آں امن الناس بر مولائے ما

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

ترتیب و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب مدظلہم

الحمد للّٰہ رب العلمین والصلوٰۃ والسّلام علیٰ خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمّدٍ وّاٰلہ واصحابہ اجمعین

گزشتہ درس حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب پر مشتمل تھا، آج بھی آپ ہی کے فضائل بیان ہوں گے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امرنا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ان نتصدق ہمیں جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے صدقہ کرنے کا حکم دیا، فرماتے ہیں کہ وافق ذٰلک عندی مالاً اس زمانہ میں میرے پاس مال بہت تھا۔ مَیں نے کہا کہ اگر کبھی یہ ہو سکتا ہے کہ مَیں صدّیق اکبر سے نیکیوں میں سبقت لے جاؤں تو آج (یقیناً) ایسا موقع ہے کہ مَیں ان سے بڑھ سکتا ہوں، (کیونکہ حضور نے مال طلب فرمایا تھا اور اس وقت آپ کے پاس مال بہت تھا۔ تو خیال یہ تھا کہ آج میں صدّیق اکبر کی بہ نسبت زیادہ مال راہِ خدا میں دے کر ان سے بڑھ جاؤں گا) یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ نیکی اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی خواہش اور تمنّا بُری بات نہیں ہے کیونکہ نیکی اور عمل صالح سے حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے اس لیے ہر شخص کی یہ تمنّا ہونی ہی چاہیے کہ اسے زیادہ سے زیادہ قرب میسر ہو: قرآن کریم میں ارشاد ہے فاستبقوا الخیرات ۲ نیکیوں میں سبقت کرو: سارعوا الیٰ مغفرۃ پ۴ سابقوا الیٰ مغفرۃ پ۲۷ تو فاروق اعظم ہمیشہ سے صدّیق اکبر کو ہر نیکی میں بڑھا ہوا پاتے آئے تھے؛ آج ان کا خیال یہ تھا کہ میں ان سے بڑھ جاؤں گا؛ فرماتے ہیں کہ میں اپنا آدھا مال حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں لے آیا؛ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ جواب دیا کہ اتنا ہی چھوڑ آیا ہوں (کہ جتنا لے آیا ہوں) اتنے میں حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے اور اپنا مال حضور کی خدمت میں پیش کر دیا آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی سوال اُن سے بھی کیا کہ گھر والوں کے لیے کیا چھوڑ آئے؟ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: ابقیت لھم اللّٰہ ورسولہ گھر والوں کے لیے اللہ اور اُس کا رسول چھوڑ آیا ہوں (یہی میرے لیے کافی ہیں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما لیا۔ اس پر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اگرچہ میرا نصف مال صدیق اکبرؓ کے کل مال سے زیادہ ہے لیکن یہ نصف اور وہ کل ہے گویا آج پھر صدیق اکبرؓ ہی بازی لے گئے اور سب سے بڑھ گئے۔ فاروق اعظمؓ نے یہ دیکھا تو فرمایا لااسبقہ الیٰ شیئٍ ابدًا کہ میں کبھی بھی کسی نیکی میں ان سے آگے نہیں بڑھ سکتا ہوں۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ اجازت نہیں دی کہ کوئی سارے کا سارا مال خدا کی راہ میں خرچ کردے، ذیل میں حضرت سعدؓ کا واقعہ نقل کرتا ہوں۔ حضرت سعدؓ ایک جلیل القدر صحابی تھے۔ عشرہ مبشرہ میں سے تھے، رشتہ میں حضور کے ماموں تھے۔ بہت بہادر اور قوی تھے نہایت اچھے تیر انداز تھے۔ ایک بار وہ حاضرِ خدمت ہوئے تو آپ نے اُن کی خوشنمائی اور وجاہت پسند فرما کر فرمایا کہ "یہ میرے ماموں ہیں کسی اور کا ایسا ماموں ہو تو مجھے دکھائے"۔ حضرت فاروقِ اعظمؓ سے (جو ہر معاملہ میں بہت زیادہ تحقیق و تجسس فرمایا کرتے تھے) اُن کے صاحبزادے نے ایک دفعہ کہا کہ میں نے یہ مسئلہ سُنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا کن سے۔ عرض کیا کہ سعدؓ سے۔ فرمایا کہ "جب تمہیں سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات سُنائیں تو پھر کسی اور سے نہ پوچھو"۔

حضور اکرمؐ کی وفات سے کچھ روز پہلے حجۃ الوداع کے موقعہ پر حضرت سعدؓ شدید بیمار ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لیے اُن کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دے دوں۔ حضورؐ نے منع فرمایا۔ پھر عرض کیا نصف مال دے دوں؟ آپ نے فرمایا نہیں؛ آخر ہوتے ہوتے تہائی مال کے خرچ کرنے پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رضامندی ظاہر فرمائی۔ اور اُن سے ارشاد فرمایا کہ اگر تم اپنے ورثہ کے لیے مال چھوڑ جاؤ تو یہ بہ نسبت اس کے بہت بہتر ہے کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور فرمایا کہ شاید تم زندہ رہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ سے کسی قوم کو نفع اور کسی کو نقصان پہنچائے۔ چنانچہ حضرت سعدؓ کچھ دن بعد صحت

یاب ہوگئے اور فاتح ایران بنے۔ غرض کہ اس قدر فضائل کے ہوتے ہوئے بھی حضورؐ نے حضرت سعدؓ کا سارا مال قبول نہ کیا، لیکن صدیق اکبرؓ سے اُن کا سارے کا سارا مال قبول فرما لیا اور دوسرے صحابہ کی طرح اُن سے یہ نہ فرمایا کہ اتنا دے دو اور اتنا چھوڑ آؤ۔

بات دراصل یہ ہے کہ انسان بعض اوقات جوش اور جذبہ میں آکر سب کچھ خرچ کر دیتا ہے مگر بعد میں پچھتاتا ہے اور دل ہی دل میں یہ کہتا ہے کہ کچھ رکھ لیتا تو اچھا ہوتا۔ غالباً اس لیے حضور اکرمؐ سارا مال قبول نہیں فرماتے تھے۔ مگر صدیق اکبرؓ کے بارے میں آنحضرتؐ کو پورا یقین تھا کہ یہ سارا مال دے کر بھی کبھی نہیں پچھتائیں گے اور تھی بھی یہی بات۔ خلاصہ یہ کہ ابوبکر صدیقؓ کو تمام صحابہ کرام میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا کہ فاروق اعظمؓ ایسے عظیم المرتبت صحابی بھی نیکیوں میں ان کی ہمسری نہیں کر سکتے تھے۔ آخرکار انہوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ ابوبکرؓ کو نیکیوں میں آگے رکھنا قدرت ہی چاہتی ہے تو اُن سے کون بڑھ سکتا ہے۔

آقائے نامدارؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ جہاں ابوبکرؓ موجود ہوں یہ مناسب نہیں کہ وہاں اُن کے سوا دوسرا کوئی امامت کرائے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں ایک عورت آئی اور آپؐ سے گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا دوبارہ آنا اُس عورت نے عرض کیا کہ دوبارہ آکر آپؐ سے ملاقات نہ ہو تو؟ فرمایا کہ پھر تم ابوبکر کے پاس آنا۔ آپؐ کے اس قسم کے جملوں سے معلوم ہوتا تھا کہ ابوبکرؓ آپ کے جانشین بنیں گے اور آپؐ اس طرح کے جملے ارشاد فرما کر یہی بتانا چاہتے تھے کہ میرے بعد ابوبکر ہی میرے جانشین اور خلیفہ ہوں گے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

جنابِ احسان دانش رح

ہدیۂ عقیدت

ہے اُن کی یاد کا عالم بھی بندگی کی طرح
غموں میں بھی مجھے لذّت سی ہے خوشی کی طرح

زہے ہوائے مدینہ زہے دیارِ رسُول ؐ
کہ بیخودی کا ہے عالم خود آگہی کی طرح

یہ آرزو ہے درِ مُصطفےٰ پہ دم نکلے
یہ فرض بھی ہو ادا قرضِ زندگی کی طرح

ترے خیال سے محروم ہر قدم پہ حیات
گذر رہی ہے بالاقساط خودکشی کی طرح

ہیں کب سے تیرگیاں میرے غمکدے کا کفن
چلے بھی آؤ کسی روز چاندنی کی طرح

یہ عشق ہے کہ جنوں کا کوئی مقامِ بلند
ہجومِ غم بھی ہے پندارِ بندگی کی طرح

مری نظر ہے تمہیں پر مری خبر لینا
پھروں نہ حشر کے میداں میں اجنبی کی طرح

کمالِ قلب و نظر ہو کہ رُوح کی معراج
خدائی کی مرے آقا نے بندگی کی طرح

شہید اگرچہ نگاہوں سے ہو گئے روپوش
ہر اک ہے وقت کے پردے میں خلوتی کی طرح

دیے کی طرح ستارے بھی دے رہے ہیں جواب
دیارِ دل میں اُتر آؤ روشنی کی طرح

وُہ موجِ کیف ترے نام سے جو مشتق ہے
رواں ہے جسم کی رگ رگ میں سنسنی کی طرح

غمِ رسُول ؐ فروزاں ہے جن کے سینوں میں
وُہ ظلمتوں سے گزرتے ہیں روشنی کی طرح

عیاں ہیں جن پہ شہادت کے راز اے دانشؔ
وہ لوگ موت پہ گرتے ہیں زندگی کی طرح

ہمارے عربی مدارس

حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلند شہری

ڈھائی سو سال پہلے جب انگریزوں نے غیر منقسم ہندوستان پر قبضہ کیا تھا، اس وقت حضرات اکابر علماء، دین کی بقاء کے لیے متفکر ہوئے تھے ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۸۵۷ء میں انگریزوں سے جہاد بھی کیا لیکن بعض احوال کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی لہٰذا انھوں نے دین اور علومِ دین کی بقا کے لیے مدارس کھولے پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے۔ اس کے چھ ماہ بعد مظاہر علوم سہارن پور جاری کیا گیا ان دونوں مدرسوں میں درس نظامی کو رواج دیا گیا پھر ان مدارس سے فارغ ہونے والے علماء نے بڑی تعداد میں مدارس قائم کیے جن کا منہج اور مسلک وہی تھا جو ان دونوں مدرسوں کا تھا اور اَب تک ہے۔ ان مدارس سے فارغ ہونے والے حضرات نے تحریر اور تقریر تالیف اور تصنیف تبلیغ اور تدریس کے ذریعہ اُمت میں دین پھیلایا، اعمال کو بھی زندہ رکھا اور علوم کو بھی ان مدارس کی بُنیاد خالص للّٰہیت اور خدمت دین اور فکر آخرت پر تھی، اپنے اس مقصد میں علماء اور طلباء الحمد للہ کامیاب ہیں، البتہ جس کسی کو طلب دُنیا نے گھیر لیا اس نے منشی فاضل مولوی فاضل میٹرک اور بی اے۔ ایم اے کے امتحانات دے کر اکابر کی لائن چھوڑ دی اور یہ لوگ صرف دُنیا دار بن کر رہ گئے۔ ڈاڑھیاں بھی کٹ گئیں، انگریزی بال چھٹ گئے۔ ٹوپیاں سر سے غائب ہوگئیں، کرتوں کے دامن اُونچے، پاجامے چست پہننے لگے، انگریزوں نے اُمت مسلمہ کو دھوکہ دینے کے لیے مدارس قائم کیے جن میں عربی کتابیں بھی تھیں لیکن کتاب الجہاد کتاب الاسترقاق وغیرہ کو خارج رکھا اور اپنے مدارس کے فارغین کی ڈگری کے بڑے بڑے نام رکھے، مدرسہ عالیہ کلکتہ کے فارغین کو فخر المحدثین اور ممتاز المحدثین کے نام کی ڈگری دی گئی۔ (یاد رہے کہ مدرسہ عالیہ بھی مسلمانوں کا نام رکھا ہوا ہے انگریزوں نے اس کا نام کلکتہ مدرسہ ________ رکھا تھا اور آج تک حکومت کے دفاتر میں وہی نام ہے اور وہی نصاب ہے اسے حکومت مغربی بنگال چلاتی ہے

اور ہاں مدارس میں جو حکومت نے مدرسہ قائم کیا تھا اس کے فارغین کی ڈگری کا نام افضل العلماء ہے اس میں یہ بات مضمر تھی کہ حکومت کے پڑھائے ہوئے لوگوں کی طرف عامۃ المسلمین متوجہ ہوں اور عربی مدارس کے علماء کی طرف متوجہ نہ ہوں، لیکن الحمد للہ عوام نے ایسے لوگوں کو قابلِ التفات نہیں سمجھا اور انہی مولوی ملاؤں کو دینی ذمّہ دار سمجھا جو دیوبند سہارنپور کے سلسلہ کے مدارس سے فارغ ہونے والے تھے۔

حکومت کے قائم کیے ہوئے مدارس کے علاوہ بھی کچھ لوگوں نے مدرسے قائم کیے جن میں دنیاوی تقاضوں کو ملحوظ رکھا ان میں انگریزی بھی رکھی اور اَب تو ہندی بھی پڑھائی جاتی ہے اور ذرا عربی لکھانے سکھانے پر زور دیا لیکن ان مدارس سے فارغ ہونے والوں نے منبر اور محراب کو نہیں سنبھالا تفسیر اور حدیث کے اُستاد نہیں بنے، ہاں عربی لکھ لینے کی مشق کی وجہ سے متحدہ امارات میں یا بعض دیگر عربی ممالک میں ملازمتیں مل گئیں اس سے ان لوگوں کا مقصد بھی حاصل ہوگیا کیونکہ ان کے بانیان کے سامنے عربی پڑھنے والے کی روٹی اور رزق ہی کا معاملہ درپیش تھا سو وہ اس میں کامیاب ہوگئے۔

یہ مدارس عربی سکھانے میں کامیاب ہوئے لیکن مفسّر محدث نہ بنا سکے اس لیے ان میں شیخ التفسیر اور شیخ الحدیث اور مفتی دیوبند سہارنپور کے فضلاء ہی ہوتے رہے ہیں۔

ہمارے عربی مدارس کی بُنیاد چونکہ طلب دُنیا نہیں بلکہ فکر آخرت اور خدمت دین ہے اس لیے یہ حضرات دُکھ سُکھ کے ساتھ موٹا جھوٹا کھاکر اور پہن کر دینی خدمتوں میں لگے رہے اور آج تک لگے ہوئے ہیں۔

ہمارے مدارس کی مخالفت وہی لوگ کرتے ہیں جن کے ذہنوں پر دُنیا غالب ہے اور جنھیں دین کا شعور نہیں، کبھی یُوں کہتے ہیں ان مدارس کے نصاب میں انگریزی یا ہندی داخل کر دی جائے، کبھی کہتے ہیں کہ سائنس کو نصاب میں شامل کر دیا جائے، کبھی کچھ کبھی کچھ لیکن اگر ان سے کہو کہ آؤ اپنی اولاد کو ان مدارس میں داخل کرو تمہاری تجویز کے مطابق انگریزی نصاب میں داخل کر دیں گے تو ہرگز نہیں مان سکتے۔ ہمارے مدارس میں پڑھنے والا اگر علمی حیثیّت سے کمزور ہو تو دین کے فرائض و واجبات تو جان ہی لیتا ہے۔ آخرت کا فکر مند ہو جاتا ہے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتوں کو اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وضع قطع کو تو اختیار کرتا ہی ہے جنھیں اپنے بچّوں کو پتلون پہنانی ہے ٹائی بندھوانی ہے انگریزی بال رکھوانے ہیں، وہ تو انگریزی کو نصاب میں شامل،

کر لینے پر بھی اپنی اولاد کو عربی مدرسوں کی زینت نہیں بنا سکتے۔ یُوں کہنے والے بھی ہیں کہ عربی مدرسوں میں عربی کا لکھنا نہیں سکھایا جاتا پہلی بات تو یہ ہے کہ عربی کوئی سکھانے کی چیز نہیں جب صرف و نحو پڑھا دی علوم بلاغت سے آراستہ کر دیا۔ عربی اَدب کی کتابیں پڑھا دیں تو یہ عربی لکھنے کے لیے کافی ہے دیکھو جن حضرات نے عربی میں کام کیا ہے۔ شروح حدیث لکھیں فقہ کی کتابوں کے حواشی تحریر کیے ہیں۔ اَدب کی کتابوں کی تعلیقات لکھی ہیں، اُن کو کس نے عربی لکھنے کی مشق کرائی تھی حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی ان کے والد مولانا یحییٰ صاحب اور میاں اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہم اور اُن کے علاوہ بہت سے حضرات (جن کا ذکر طوالت سے خالی نہیں) کو کس نے عربی لکھنے کی مشق کرائی تھی۔ ایک بات اور قابلِ ذکر ہے کہ جو لوگ عربی لکھنا سیکھ لیتے ہیں وہ ہمارے مدارس کے کام کے نہیں رہتے وہ تو عرب امارات میں جا کر نوکریاں کر لیتے ہیں اُن کا پیٹ تو پل جاتا ہے لیکن دینی خدمات جو اپنے وطن میں تعلیم و تدریس کے ذریعہ کرتے ان سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اُمّت جو چندے دیتی ہے وہ اس لیے دیتی ہے کہ لوگ عربی مدارس میں پڑھ کر قرآن و حدیث کی خدمت کریں نہ اس لیے کہ بڑی بڑی تنخواہوں کے لالچ میں دور دراز ملکوں میں چلے جائیں۔ کوئی سفارت خانہ میں لگ جائے اور کوئی امارات کے کسی ادارہ کا ملازم بن جائے دُنیا کے لیے عربی سیکھنا پھر اُسے دُنیا کمانے کا ذریعہ بنانا اس میں اور انگریزی زبان سیکھنے میں کوئی فرق نہیں قرآن و حدیث پڑھ کر اُنہیں کا خادم ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغٰى بِهٖ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهٗ اِلَّا لِيُصِيْبَ بِهٖ عَرَضًا مِّنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی رِيْحَهَا (اس علم کو جو اللہ کی رضا کے لیے سیکھا جاتا ہے صرف دُنیا حاصل کرنے کے لیے سیکھا وہ جنّت کی خوشبو بھی نہ پائے گا)۔ (مشکوٰۃ المصابیح، ص: ۳۴)

جو لوگ عربی مدارس میں انگریزی اور اس کے جوڑ کی چیزیں داخل کرنے پر زور دیتے ہیں عجیب بات ہے کہ کالجوں اور یونیورسٹیوں والوں سے نہیں کہتے کہ تم قرآن حفظ کرنے کے لیے مکتب کھول لو اور تجوید سکھانے لگو اور حدیث کی کتابیں پڑھانے لگو، اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ جو لوگ مدارس عربیہ میں اپنے خیال میں اصلاح کی رائے دیتے ہیں عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو نہ مدارس میں چندہ دیتے ہیں نہ اپنی

اولاد کو قرآن وحدیث پڑھانے کے حق میں ہیں اور اب تو مسلم ممالک میں یہ مصیبت آگئی ہے کہ جو بھی حکومت آتی ہے اسی کے کارندے دُشمنوں کے دباؤ میں آکر مدرسوں کو بند کرنے اور ان پر قبضہ کرنے کے بہانے تلاش کرتے ہیں اور ترکی اور لیبیا اور سوریاں میں مدارس ختم کر دینے سے جو بے دینی اور بد دینی آگئی ہے اسی کے مطابق اپنے ملک کے رہنے والوں کے دین و ایمان کا کباڑا کرنا چاہتے ہیں دُشمن سمجھتے ہیں کہ مدارس سے دین زندہ ہوتا ہے اور دین زندہ ہوگا تو مُسلمانوں میں دینی اعمال پھیلیں گے ان دینی اعمال سے کُفر اور کافروں سے بغض پیدا ہوگا۔ لہٰذا اُنھیں مٹانا چاہیے جن لوگوں کو تھوڑے دن کے لیے وزارت مل جاتی ہے وہ اپنی وزارت کی تھوڑے سے دن کے لیے حفاظت کرنے کے جذبات میں دُشمنوں کی باتیں ماننے اور مدرسوں کو برباد کرنے کی فکر میں لگ جاتے ہیں یہ نہیں سوچتے کہ ہمارے ذریعہ اگر یہ مدارس برباد ہوگئے تو ہمارا آخرت میں کیا بنے گا ؟ یہ دُنیا ہمیشہ رہنے والی نہیں قرآن مجید میں فرمایا فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ (سو تمہیں ہرگز دُنیا والی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور دھوکہ دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے علم کے ذریعہ دھوکہ نہ دے) آج کل دُشمنوں کے توجّہ دلانے سے حکومتوں نے مدارس کو مالی امداد دینے کا سلسلہ چلایا ہے یہ بھی مدارس پر قبضہ کرنے کا ایک راستہ ہے۔ اہل مدارس ہرگز حکومت کی ذرا سی امداد بھی قبول نہ کریں اوّل تو یہ پیسے ناجائز ٹیکسوں سے حاصل کیے جاتے ہیں اسی لیے ان میں برکت نہیں ہوتی، دوسرے حکومتوں کی امداد کی بات سُن کر عوام اپنا ہاتھ کھینچ لیتے ہیں جن کا پیسہ حلال بھی ہوتا ہے اور بابرکت بھی، تیسرے حکومتیں اپنا دخل دینا شروع کر دیتی ہیں اور دینی مدارس کو دُنیاوی طرز پر لانے کی فکر کرتی ہیں چوتھے عُلماء کو اپنا محتاج بنانا مقصود ہوتا ہے۔ پانچویں مال کی کمی یا بدنیتی کی وجہ سے امداد بند کر دیتی ہیں ادھر عوام مالیات مدرسوں کو دینا بند کر چکے ہوتے ہیں لہٰذا مدارس بند ہونے کے قریب ہو جاتے ہیں اور حکومتوں کے خوشامدی بنتے ہیں۔

تمام اصحابِ مدارس بہار (ہندوستان) کے مدارس سے عبرت حاصل کریں خوشی خوشی وہاں کے ذمّہ داروں نے بہار کی حکومت کی امداد قبول کر لی تھی۔ کچھ عرصہ بعد حکومت نے ہاتھ کھینچ لیا۔ لہٰذا پندرہ سو مدارس بند ہوگئے، یہ واقعی بات ہے۔ دہلی اور دیو بند کے اکابر سے تصدیق کر سکتے ہیں۔

مدارس میں علم کی کمی نہیں (جس کے لیے نصاب بدلنے کی ضرورت ہو) جو لوگ خوب اچھی طرح موجودہ نصاب پڑھ لیتے ہیں اچھے عالم بن جاتے ہیں، بس علم کو ٹھکانے لگانے کی ضرورت ہے حضرات ارباب اہتمام کرام سے درخواست ہے کہ

۱۔ مدارس میں اخلاص اور فکر آخرت کی فضاء بنائیں طلبہ کو بتائیں کہ علم حاصل کرنا اللہ کی رضا کے لیے ہے علم پر عمل کرو جس میں تعلیم و تبلیغ، تدریس، تحریر، تصنیف سب کچھ داخل ہے اور یہ بھی بتائیں کہ دُنیا کے طالب نہ بنو تنگدستی آجائے تو صبر کرو دوسروں کی دُنیا کی طرف نظر نہ ڈالو۔

۲۔ اہل اللہ جو سلوک و احسان کی خدمات انجام دیتے ہیں، تزکیہ نفوس کا کام کرتے ہیں اُن سے جوڑ پیدا کریں اُن کی خدمتوں میں جایا کریں جس سے دل جھکے اس سے بیعت ہو جائیں، ایسا کرنے سے دل کا غرور اور عجب دُور ہوگا، دلوں میں اخلاص پیدا ہوگا ذکر اللہ کی کثرت کا داعیہ پیدا ہوگا۔

پُرانے فارغین میں یہ بات تھی جس کی وجہ سے اُن کے نفوس بھی [illegible] ہو جاتے تھے اور قلوب منور ہوتے تھے۔ تواضع پیدا ہو جاتی تھی جو لوگ اُن کے پاس آتے جاتے تھے متأثر ہوتے تھے اور اُن کے مواعظ دلوں میں اثر کرتے تھے۔

۳۔ حضرات ارباب اہتمام کی خدمت میں یہ بھی عرض کرنا ہے کہ جو طلباء اچھی استعداد کے حامل ہوں اُن کی صلاحیتیں عمدہ ہوں اُن کو فارغ کر کے یوں ہی نہ چھوڑ دیں بلکہ اُن کے لیے ان کے شایان شان کام تجویز کریں جس کی طبیعت جدھر چلتی ہو اس فن میں ماہر بنائیں فارغ ہونے کے بعد سال دو سال اپنے پاس رکھیں تقوٰی طہارت کے ساتھ ان کی علمی پختگی کی بھی کوشش کریں، انھیں تالیف و تصنیف پر بھی لگائیں مختلف موضوعات پر اُن سے رسالے لکھوائیں پھر اُن کو شائع کریں، سُنا ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند یہ کام کیا کرتے تھے اُنھوں نے مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کو معقولات پر لگایا اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کو فقہ اور ادب پر لگایا جس کی وجہ سے اوّل الذکر شیخ المعقول اور ثانی الذکر شیخ الفقہ والادب کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں (رحمہم اللہ تعالٰی)

۴۔ فراغت کے بعد طلباء کو مختلف کاموں کے لیے مستعد بنانے میں رقمیں خرچ ہوں تو وہ بھی خرچ کی جائیں اور اُن کو یوں ہی سند دے کر مصافحہ کر کے نہ چھوڑ دیا جائے۔

ایک ضروری بات رہ گئی اور وہ یہ کہ جن لوگوں کے دلوں میں عربی مدارس کا وجود کھٹکتا ہے وہ کہتے ہیں کہ علماء

طلباء اُمّت پر بوجھ بنے ہُوئے ہَیں یہ ارشاد بھی انہی دُنیا کے چہیتوں کا ہے جو مدارس میں ایک پیسہ بھی نہیں دیتے جو حضرات مدارس میں چندے دیتے ہیں وہ تو خود حاضر ہوکر رقمیں پیش کرتے ہَیں، اگر اُن کے پاس کسی مدرسہ کا سفیر پہنچ جائے تو اُس کے شُکرگزار ہوتے ہَیں، عجیب بات ہے کہ دیا کسی نے اور دل دکھا کسی کا ؟

پھر یہ بھی تو دیکھو کہ اُمّت کی طرف سے جو مدارس کو چندہ ملتا ہے عموماً زکٰوۃ کا مال ہوتا ہے زکٰوۃ ادا کرنا تو فرض ہے اگر اس مال سے دینی مدارس بھی چل گئے تو کیوں دل دکھتا ہے ؟

ایک بات قابلِ ذکر اور ہے انگریزی لائن کے لوگ جو ریسرچ اسکالر کے عنوان سے یورپ اور امریکہ میں ڈگریاں لینے جاتے ہَیں اُن کو بھی تو وظائف دیے جاتے ہیں اُن کے وظائف سے نہ حکومت پر بوجھ پڑے نہ عوام اور خواص ان کے خرچے سے دبیں سارا نزلہ عربی مدارس پر ہی ہے، بات وہی ہے کہ دُنیا کی محبّت اور اہلِ دُنیا کی عظمت اور علومِ دُنیا کی بڑائی دل میں گھر کیے ہُوئے ہے ورنہ اسلام کا کلمہ پڑھنے والے ایسی باتیں نہ کرتے۔

مدارس پر اعتراض کرنے والے یوں ہی کہتے ہیں کہ مدرسوں سے فارغ ہونے والے استعداد میں برابر نہیں ہوتے استعداد میں برابر ہوں یا نہ ہوں مقصد علم میں برابر ہوتے ہیں یعنی اللہ سے لو لگاتے ہیں دین پھیلاتے ہَیں فکرِ آخرت میں لگے رہتے ہیں ایک مؤذّن سے لے کر بخاری شریف پڑھانے والے تک کوئی بھی مقاصد مدرسہ میں ناکام نہیں ہے اور ایک بات اور بھی غور طلب ہے اور وہ یہ کہ کیا کالجوں میں پڑھنے والے جو پینٹ شرٹ پہنے پھرتے ہیں کیا سب کی استعداد برابر ہوتی ہے ؟ کیا سب ہی ٹیچر، پروفیسر اور پرنسپل اور ڈین بننے کے قابل ہوتے ہیں کیا ہر ایک انجنیئرنگ پڑھنے والے اپنے شعبہ میں پُورے عروج اور ترقّی کے ساتھ کامیاب ہو جاتے ہیں کیا انگریزی زبان لکھنے میں سب ماہر ہوتے ہیں؟ ہرگز ایسا نہیں! جب اللہ تعالیٰ نے استعدادیں برابر نہیں رکھیں تو علوم و اعمال میں سب برابر کیسے ہونگے ؟

فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ؟

میری یہ معروضات ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو پسند نہ آئیں اور ممکن ہے کہ مدیر رسالہ بھی ہر بات سے متفق نہ ہوں لیکن مَیں نے نصیحۃً للمسلمین سب کچھ لکھا ہے اخلاص کے ساتھ لکھا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مخلصین خوش ہوں گے۔ وباللہ التوفیق

(قسط : ۲، آخری)

حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی رحؒ

شخصیّت اور خدمات

مولانا محمد عیسیٰ صاحب منصوری لندن

علاّمہ ندویؒ کا سب سے نمایاں وصف آپ کا فکری کام ہے آپ کی تحریرؤں میں مغرب کے گمراہ کُن الحادی فکر و فلسفہ کا مسکت جواب اور مدلّل رَد موجود ہے اس وقت دُنیا اور خاص طور پر ملّتِ اسلامیہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ اقوامِ عالم اور پوری انسانیت بدقسمتی سے مغرب کے ان افکار و نظریات کی اسیر بن چکی ہے جس نے علم و فکر تہذیب و تمدّن اور ترقّی و خوشحالی کے نام سے پُوری انسانیت کو وحی آسمانی سے ہٹا کر خواہش نفسانی کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ برِّصغیر کے طبقہ عُلماء میں جس چیز نے آپ کی شخصیّت کو ممتاز کیا وہ آپ کا یہی کارنامہ ہے مغربی فکر و فلسفہ اور افکار و نظریات کے غلبہ نے عالم اسلام کے لیے بے شمار مسائل پیدا کر دیے ہیں اور جب تک مغرب کا فکری غلبہ موجود ہے عالم اسلام کبھی سربلندی عزّت اور غلبہ نہیں پا سکتا۔ آپ ندوۃ العلماء کے طلباء کو خطاب کرتے ہُوئے فرماتے ہیں۔

"اس وقت جس طبقہ کے ہاتھ میں زمام کار ہے وہ مغربی تہذیب کو مثالی اور انسانی تجربات کی آخری منزل اور حرف آخر سمجھتا ہے وہ اس کو زندگی کی تنظیم کی آخری کوشش سمجھتا ہے اور انسانی مسائل کے حل کا آخری کامیاب تجربہ سمجھتا ہے اور اس کو اسلام کے نظام کے قائم مقام خیال کرتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے۔ اب اس کو دوبارہ کارگاہ حیات میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں ہے یہ ہے وہ زندہ سوال جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح ایک بھڑکی ہُوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے اور جس کے اثر سے کوئی طبقہ اور کوئی پڑھا لکھا انسان پورے طور پر محفوظ نہیں ہے۔ یہ ایک سازش چلی آرہی ہے فکری طور پر

______ بھی سیاسی و انتظامی طور پر بھی ہمیں اسی طور پر اس کا مقابلہ کرنا ہے اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا اور اسلام پر اس کا یقین واپس لانا دوبارہ یقین پیدا کرنا ہے کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے قیادت کر سکتا ہے یہ ہے آج کا اصل فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دینا تو الگ رہا یہ تو اس منزل کے بعد اس زمانہ کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے اسلام زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے اسلام اس زمانہ کو مبارک بنا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو رہنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے اس کے لیے آپ کو تیاری کرنی ہے۔ آج انڈونیشیا مشرقِ اقصیٰ سے مراکش تک امریکہ و یورپ کی سازش سے اسلام پر اعتماد متزلزل کر دیا گیا ہے۔ اسلام پر عمل کرنے کو فرسودگی رجعت پسندی فینڈامینٹل ازم سے تعبیر کیا جاتا ہے تاکہ ایک پڑھے لکھے آدمی کو شرم آنے لگے کہ حاشا وکلا وہ فینڈامینٹلسٹ ہیں۔ آپ کو وہ کام کرنا ہے کہ لوگ سینہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم فینڈامینٹلسٹ ہیں ہمارے نزدیک فینڈامینٹل ازم ہی دُنیا کو بچا سکتا ہے۔ ساری خرابی اور سارا فساد فینڈامینٹل ازم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ کوئی اُصول نہیں کوئی معیار نہیں کوئی حدود نہیں صرف نفس پرستی ہے صرف خواہش پرستی ہے صرف اقتدار پرستی ہے اس لیے آپ کو تیاری کرنی ہے"۔ اس کے بعد آپ مزید وضاحت سے عصرِ حاضر کی سب سے اہم ضرورت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے طلباء سے فرماتے ہیں۔

"اسلام کا مجدد کہلانے کا وہی مستحق ہوگا جو اسلامی شریعت کی برتری ثابت کرے زندگی سے اس کا پیوند لگائے اور ثابت کرے کہ اسلامی قانون وضعی قانون اور انسانوں کے تمام خود ساختہ قوانین سے آگے ہے زمانہ سے آگے کی چیز ہے۔ زمانہ اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا اور دُنیا نے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو لیکن اسلامی قوانین اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں اس کے تمام سوالات کے جوابات دینے ___ اور انسانی زندگی کے پیدا ہونے والے مسائل کا حل ان کے اندر موجود ہے اس میں ایک بالغ معاشرہ کی تنظیم کی بہترین صلاحیت ہے"۔

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں تھی ایسی شخصیتیں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور ملّت بلکہ پوری انسانیت کے لیے رحمت ثابت ہوتی ہیں

علی میاں ایک فرد اور ایک ذات کا نام نہیں ایک مشن ایک تحریک اور ایک دعوت اور ایک انقلاب کا نام ہے آپ کے انتقال سے علم وحکمت کا آفتاب غروب ہوگیا وہ آفتاب جس کی روشنی سے عرب و عجم مستفید ہو رہا تھا۔ آپ ایک عظیم مفکّر مدبّر، مؤرخ، عالم دین، عربی زبان و ادب کے ماہر اعلیٰ درجہ کے انشاء پرداز سوانح نگار تھے اسی کے ساتھ زہد و تقویٰ، سادگی و قناعت اور خلوص و محبت کا پیکر اور سلف صالحین کا نمونہ تھے۔ مغرب کی جدید تہذیب و تمدن اور اس کے گمراہ کن افکار اور نظریات پر گہری اور بسیط نظر رکھتے تھے۔ برِّصغیر کے واحد عالمِ دین تھے جن کی تحریروں میں مغربی فلسفہ و فکر رَدّ اور اُس کے زہر کا تریاق بکثرت موجود ہے۔ مغرب کے برپا کیے ہوئے فساد اور گمراہ کُن نظریات کے خلاف آپکا بے باک مدلّل اور مؤثّر قلم جراحت و مرہم دونوں کا کام کرتا تھا۔ عالمی مسائل و اُمور پر آپ کی نظر گہری اور عمیق اور ملّت کے اجتماعی مسائل سے دلی تعلّق تھا۔ ملکی و عالمی سیاسی و سماجی حالات و مسائل سے آپ کو وسیع و عمیق واقفیت تھی علمی و فکری ہر موضوع پر آپ نے قلم اُٹھایا اور جس موضوع پر آپ نے جو لکھا وہ اس فن کے لیے اتھارٹی مانا گیا۔ برِّصغیر کے اس صدی کے اکابر عُلماء و اہل اللہ جیسے حضرت مولانا محمد الیاس مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حسین احمد مدنی، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا و دیگر عُلماء اہل اللہ کے آپ ہمیشہ محبوب و منظور نظر رہے۔ آپ کے شیخ حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر خدا نے پُوچھا کہ دُنیا سے کیا لایا تو "علی میاں" کو پیش کر دوں گا۔ آپ کو یہ بھی شرف حاصل ہے کہ برّصغیر کے اس صدی کے بیشتر اکابر عُلماء اور اہل اللہ کا تعارف آپ کے قلم سے ہُوا۔ اس کے ساتھ ہی تاریخ دعوت و عزیمت کی سات جلدیں لکھ کر اسلام کے ــــــ مشاہیر اور اکابرینِ اُمّت کا تذکرہ ایسے مؤثّر و دلکش اور تعمیری انداز میں لکھا جس سے نئی نسل بہت کچھ فائدہ اُٹھا سکتی ہے۔ آپ کی شخصیّت جس طرح عُلماء و مدارس صوفیاء کرام اور خانقاہوں میں مسلم تھی اسی طرح عصری طبقات عصری تعلیم گاہوں علی گڑھ، قاہرہ، مکّہ جنیوا، لندن اور نیویارک میں بھی مقبولیت رکھتی تھی۔ دُنیا بھر کے عُلماء و زعماء مفکّرین و دانشور حتّٰی کہ حکمران آپ کو عقیدت و عظمت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ اپنے اخلاق عالیہ کی بدولت آپ ہر طبقہ میں مقبولیت رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے ناظم اعلیٰ ہونے کے علاوہ دار العلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے رُکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر آل انڈیا ملّی کونسل کے سرپرست رابطہ ادب اسلامی (مکّہ مکرمہ) کے سربراہ مدینہ یونیورسٹی (مدینہ منورہ) کی مجلس مشاورت کے رُکن آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامی سنٹر

کے سربراہ جامعۃ الہدیٰ (نوٹنگھم) کے سرپرست، دعوت اسلامی کی عالمی مجلس اعلیٰ (قاہرہ) کے ممبر وار المصنّفین و شبلی اکیڈمی (اعظم گڑھ) کے صدر، عالمی یونیورسٹیوں کی انجمن واقع رباط (مراکش) کے ممبر بین الاقوامی یونیورسٹی (اسلام آباد) کی ایڈوائزری کونسل کے ممبر، قاہرہ، دمشق اور اُردن کی عربی اکیڈمی کے ممبر اس کے علاوہ سینکڑوں علمی و دینی اداروں اور تنظیموں کے سرپرست تھے۔ آپ برّصغیر کی واحد شخصیّت تھے جنھیں دوبار خانہ کعبہ کی کنجی حوالے کی گئی۔ اسی طرح شاہ فیصل ایوارڈ دبئی (امارات) کا عالمی شخصیّت ایوارڈ اور سلطان برونائی ایوارڈ سے نوازے گئے۔ آپ کے زہد اور دُنیا سے بے نیازی کا یہ عالم کہ ان ایوارڈز کے کروڑوں روپیوں کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اسی وقت ساری رقم افغان مجاہدین، مساجد و مدارس اور دینی و تعلیمی اداروں میں تقسیم فرمادی ۱۹۹۶ء میں حکومت ترکیہ نے آپ کے اعزاز میں آپ کی شخصیّت اور علمی خدمات کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جس میں دُنیا بھر کے عُلماء کرام دانشوروں اور چوٹی کے اسکالروں نے آپ کی علمی فکری و دینی خدمات پر مقالے پڑھے دُنیا بھر کی بیشتر دینی تحریکیں اور عالمی اسلامی تنظیمیں آپ کو اپنا سرپرست و مربّی سمجھتی تھیں اور آپ کے قیمتی مشوروں اور رہنمائی کی طالب رہتیں جیسے برّصغیر کی مشہور تبلیغی جماعت عرب دُنیا کی سب سے بڑی دینی تحریک اخوان المسلمین انڈونیشیا کی ماشومی پارٹی اور جماعت اسلامی وغیرہ وغیرہ دیوبند کے علاوہ دیگر تمام مکاتبِ فکر کے عُلماء و مشاہیر بھی آپ سے محبّت و عقیدت کا تعلّق رکھتے تھے ۲۸ ر اکتوبر ۱۹۹۹ء مُسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس واقع بمبئی میں جب آپ نے اپنی علالت کے سبب استعفا پیش فرمایا تو اس ناچیز نے دیکھا کہ پُورے اجلاس پر سناٹا چھا گیا اور کوئی بھی اسے قبول کرنے کے لیے آمادہ نہیں تھا سب سے پہلی ملّی کونسل کے سربراہ مولانا مجاہدالاسلام قاسمی نے کہا جب کشتی طوفان اور منجدھار میں ہوتی ہے تو ملاح نہیں بدلا جاتا۔ شیعہ رہنما علامہ کلب صادق نے کہا پرسنل لاء بورڈ کی صدارت حضرت مولانا کے لیے کوئی وجہ عزّت و افتخار نہیں بلکہ بورڈ کے لیے یہ اعزاز و فخر کی بات ہے کہ حضرت مولانا اس کے صدر رہیں۔ جماعت اسلامی کے امیر مولانا سراج الحسن صاحب نے کہا آج یہاں پُورے ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے رہنما موجود ہیں۔ اگر پُوری دُنیائے اسلام سعودی عرب، ترکی، پاکستان، انڈونیشیا، سوڈان وغیرہ وغیرہ کے زعماء و رہنما یہاں ہوتے تب بھی صدارت کے لیے سب کی زبان پہ ایک ہی نام ہوتا اور وہ مفکّرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا ہوتا اس کے بعد تمام مکاتب فکر کے رہنماؤں نے

بیک زبان کہا حضرت مولانا ہی بورڈ کے تاحیات صدر رہیں۔ اسی طرح بھارت کی تمام سیاسی پارٹیاں آپ کا احترام کرتیں۔ بھارت کے وزرائے اعظم اور وزرائے اعلیٰ آپ کے درِ دولت پہ حاضری دیتے بھارت کی حکومت نے دو بار آپ کو بھارت کا سب سے بڑا قومی ایوارڈ پدم بھوشن اور بھارت رتن دینا چاہا مگر آپ نے قبول کرنے سے سختی سے انکار کیا۔ مسلم پرسنل لاء کی جدّوجہد کے دوران ستارہ بانو کیس کے موقع پر بھارتی حکومت نے اسلامی پرسنل لاء میں تبدیلی کرنے کا ذہن بنا لیا تھا جب ایک نازک موقع پر مُسلم وفد سے گفتگو کے دوران ـــــ بھارتی وزیرِ اعظم مسٹر راجیو گاندھی نے اس دلیل کے ساتھ مُسلم پرسنل لاء میں ترمیم کا ارادہ ظاہر کیا کہ متعدّد عرب ممالک نے اسلامی پرسنل لاء میں ترمیم کی ہے تو آپ نے فرمایا الحمد للہ ہم بھارتی مُسلمان اسلام کے متعلق خود کفیل ہیں کسی عرب ملک کے محتاج نہیں جب راجیو گاندھی صاحب نے اس مسئلہ میں جامعہ ازہر (مصر) کے عُلماء سے رجوع کرنے کا عندیہ ظاہر کیا تو حضرت مولانا نے فرمایا الحمد للہ یہاں ایسے عُلماء موجود ہیں کہ اگر اُن کا نام جامعہ ازہر میں لیا جائے تو احترام میں ازہر کے چوٹی کے عُلماء کی گردنیں جُھک جائیں۔ آپ نے فرمایا بارہا ایسا ہُوا ہے کہ دُنیا بھر کے مسلم عُلماء کی سب سے بڑی تنظیم رابطہ عالم اسلامی (مکّہ مکرّمہ) میں پُوری دُنیا کے مسلم اسکالرز کی رائے ایک جانب اور آپ کے ملک کے ایک اسکالر کی دوسری جانب ہُوئی تب آپ کے ملک کے اسی ایک شخص کی رائے کا فیصلہ کیا گیا اور ساری دُنیا کے اسلامی اسکالرز نے آپ کے ملک کے اسکالر کی رائے کے سامنے سر جھکا دیا یہ سُن کر راجیو صاحب خاموش ہو گئے اس کے بعد جب انہیں پتہ چلا کہ وہ شخصیّت انہی کے حلقہ انتخاب (رائے بریلی) کی ہے تو انھوں نے اس پر کئی بار فخر کا اظہار کیا ـــــــ حضرت مولانا کی گفتگو کے بعد راجیو صاحب نے اسلامی شریعت کی روشنی میں (مطلقہ کے نفقہ کے) مسئلہ کو معلوم کرنا چاہا جب اُنھیں تشفی بخش جواب ملا تو اُنھوں نے بھارتی پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر بحث کے دوران کہا کہ میں نے امریکہ و یورپ سمیت دُنیا بھر کے قوانین کا مطالعہ کیا ہے مگر چودہ سو سال پہلے قرآن اور اسلام نے عورت کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اب تک دُنیا کا کوئی قانون نہیں دے پایا۔ بالآخر اُنھوں نے کانگریس کے ممبران کے نام وِہپ (لازمی حکم) جاری کر کے بھارتی پارلیمنٹ میں مُسلمانوں کے مطالبہ کے مطابق بل پاس کروایا اس طرح حضرت مولانا کی شخصیّت کی بدولت مُسلمان پارلیمنٹ میں پرسنل لاء بورڈ کی جنگ جیت

گئے۔ غرض اس دَور میں ایسی مقبولیت اور محبوبیت کی کوئی دوسری نظیر نہیں ہے۔

آپ کے سانحہ ارتحال پر پُوری ملّتِ اسلامیہ نے جس طرح رنج و غم کا اظہار کیا تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ دُنیا بھر کے اخبارات و رسائل و مجلات کے اداریوں اور جو مضامین و مقالات آپ کی شخصیّت پر چھپ چکے ہیں اگر صرف انہیں یکجا کیا جائے تو کئی جلدیں بن کر تیّار ہو سکتی ہیں آپ کی زندگی تالیفات اور علمی کاموں پر سیمیناروں یادگاری جلسوں کا لامتناہی سلسلہ بھی برابر جاری ہے عربی اور اُردو میں آپ کی متعدّد سوانح آچکی ہیں دُنیا بھر کی بیالیس یونیورسٹیوں میں آپ کی شخصیّت اور آپ کے کام پر پی ایچ ڈی ہُوا ہے۔ یہ آپ کی عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے انتقال فرمایا اسی رات رائے بریلی کے چھوٹے سے قصبہ میں تدفین عمل میں آئی مگر ڈیڑھ دو لاکھ افراد پروانہ وار پہنچ گئے۔ حرمین شریفین میں ۲۷ رمضان المبارک کو شب قدر کی مبارک رات میں جبکہ حرم اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ بھرا ہوتا ہے۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی اسی طرح جدہ ریاض اور سعودی عرب کے دیگر شہروں، جامعہ ازہر (مصر) استنبول (ترکی) بغداد، کویت، متحدہ امارات، یورپ و امریکہ غرض دُنیا کے کونے کونے میں کروڑوں مُسلمانوں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی ریڈیو اور ٹی وی پر وفات کی خبر نشر ہوتے ہی برِّ صغیر اور عالم اسلام میں غم کے بادل چھا گئے۔ یہ سب آپ کی عنداللہ مقبولیت کی علامت ہے ورنہ محض کسی مفکّر، اسکالر، انشاء پرداز یا کسی تحریک کے لیڈر کے لیے ایسا کبھی نہیں ہوتا یہاں لندن سے شائع ہونے والے عربی روزنامہ الحیات اور الشرق الاوسط میں آپ کی شخصیّت پر اس قدر لکھا گیا کہ شاید ہی کبھی کسی شخصیّت پر لکھا گیا ہو۔ سعودی عرب کی مجلس شوریٰ کے رکن ڈاکٹر احمد عثمان تویجری نے لندن کے معروف روزنامہ الشرق الاوسط سے گفتگو کرتے ہُوئے کہا۔

"علامہ ابوالحسن علی ندوی" دعوت و اصلاح کے اماموں میں سے ایک امام تھے اُن کے اندر بیک وقت زہد و ورع، جہاد و سرمستی اور فکر و ادب کا حسین امتزاج پایا جاتا تھا۔"

علّامہ ندوی گوناگوں تصنیفی، علمی و فکری ملّی و سیاسی مشاغل کے باوصف عصر حاضر کے مفکّرین و رہنماؤں کی طرح کبھی اپنی باطنی اصلاح سے غافل نہیں ہُوئے آپ کی شخصیّت تصوّف و روحانیت میں بھی مسلمہ تھی آپ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے خلیفہ اجل تھے۔ دُنیا بھر کے ہزارہا افراد آپ سے بیعت اور روحانی تربیت کا تعلّق رکھتے تھے آپ اس دَور میں "در کف جامِ شریعت در کفے

سندان عشق" کا کامل نمونہ تھے۔

آپ کی وفات بھی زندگی کی طرح قابلِ رشک طریقہ پر ہوئی رمضان المبارک کا مہینہ جمعہ کا دن عجلت کے ساتھ غسل کر کے نیا لباس پہن کر جمعہ کی تیاری فرمائی اور حسب معمول سورہ کہف پڑھنے لگے درمیان میں ہی سورہ یاسین کی تلاوت شروع فرمادی اور اس کی (فبشرہ بمغفرۃ واجر کریم) کی معنی خیز آیت پر روح خالقِ حقیقی سے جاملی آپ کے متعلق حضرت صدیق اکبر رضؓ کا وہ فقرہ جو انھوں نے سرورِ دوعالم ؐ کی وفات پر فرمایا تھا "طاب حیاً و میتاً" (زندگی و موت دونوں مبارک) پوری طرح صادق آتا ہے آپ کی وفات عیسوی کیلنڈر کی صدی بلکہ ہزار سالہ تاریخ کے آخری دن اور تدفین اس صدی اور ہزاروں سال کی آخری رات میں ہونا یہ بڑا معنی خیز اشارہ ہے کہ یہ صدی علامہ ابوالحسن علی ندویؒ کی صدی تھی۔

علامہ ندویؒ نے علماء کرام اور نئی نسل کے لیے بہت کچھ چھوڑا ۸۰ کے قریب تصانیف سینکڑوں مقالات و مضامین لاتعداد تقاریر آپ نے کام کی طلب رکھنے والوں کے لیے کئی راہیں بنائیں اور روشن کیں ان راہوں پر پیش قدمی کی ضرورت ہے۔ علامہ ندویؒ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے نوجوان علماء ریسرچ و تحقیق میں قدم بڑھائیں اور اس کے لیے سب سے موزوں جگہ لندن ہے یہاں آپ کے شایانِ شان علمی و فکری کاموں کے لیے ایک ادارہ قائم کیا جائے۔

سوانح مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب رحمہ اللہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ رشید اور شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ کی سوانح حیات زیرِ ترتیب ہے۔ حضرت کے احباب، تلامذہ اور متعلقین سے درخواست ہے کہ اس علمی کام میں تعاون فرماتے ہوئے حضرتؒ سے متعلق اپنے مضامین / مقالات کے علاوہ جو مواد / خطوط ان کے پاس ہوں اُن کا عکس پہلی فرصت میں مجھے ارسال فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ شاملِ اشاعت ہوسکیں۔

بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر فیوض الرحمٰن ۲۷۔ ریلوے سکیم ۲ ایرپورٹ روڈ، راولپنڈی

(قسط : ۱)

آہ ! میرے شیخ ... شہید اسلام (نور اللہ مرقدہ)

مولانا نعیم امجد سلیمیؔ خادم حضرت

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

۱۸ ؍ مئی ۲۰۰۰ء جمعرات کا دن عالم اسلام کو ایک المناک حادثہ اور جانگداز المیہ کی یاد دلاتا رہے گا، اور اور مسلمانوں کو رلاتا رہے گا۔ کیونکہ اس دن دین اسلام کے ماہ درخشندہ، مسند ولایت کے صدر نشین ، امام المجاہدین، مرشد العلماء ، سلوک و طریقت کے سجادہ نشین، عظیم مفکّر، عجز و نیاز کے پیکر، سُنّت رسول کے عاشق، گلشن دین کے باغبان، شعائر اسلام کے محافظ، دینِ اسلام کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنے کے لیے شمشیر بے نیام، جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی کے استاذ حدیث، متعدّد دینی رسائل کے مدیر، چھوٹی بڑی سو سے زائد کتابوں کے مصنّف، عالمی مجلسِ تحفّظِ ختمِ نبوّت کے نائب امیر، روزنامہ جنگ کراچی کے صفحہ اقراء "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" کے کالم نگار، جیش محمدؐ کے سرپرست، حضرت مولانا خیر محمّد جالندھری نور اللہ مرقدہ کے مرید باصفاء، حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے صحبت یافتہ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا قدس سرہ اور حضرت تھانویؒ کے خلیفہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحیّ عارفی نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت ، مُرشدی حکیم العصر حضرت مولانا محمد یُوسف لدھیانویؒ کو انتہائی سفاکی اور درندگی کے ساتھ آپ کے باوفا ڈرائیور بھائی عبد الرحمٰن سمیت شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانّا الیہ راجعون۔ ان للہ ما أخذ ولہ ما اعطیٰ وکل عندہ باجل مسمی۔ جس سے حضرت شہید کے ہزاروں متوسلین سمیت عالم اسلام سوگوار اور یتیم ہوگیا۔ آپ کے صاحبزادے مولانا حافظ محمد یحییٰ اور آپ کے ایک معتقد کو زخمی کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت شہید اسلام اور آپ کے ڈرائیور کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے، زخمیوں کو صحّت یاب فرمائے اور آپ کے عزیز و اقارب سمیت، ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اللہ تعالیٰ نے آپ کو شہادت کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز فرمایا اور ساتھ ہی آپ کی مقبولیت کو اس دُنیا کے سامنے آپ کے جنازہ میں لاکھوں لوگوں کی شرکت کے ذریعہ ظاہر کر دیا۔ کراچی کی تاریخ میں کسی جنازے میں اتنا بڑا مجمع نہیں دیکھا گیا۔

ایں سعادت بزورِ بازُو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کی ولادت

آپ ہندوستان کے ضلع لدھیانہ کی ایک چھوٹی سی جزیرہ نما بستی عیسٰی پور میں ۱۹۳۲ء کو الحاج چودھری اللہ بخش رح کے گھر پیدا ہُوئے، آپ رح کی والدہ محترمہ شیر خوارگی ہی میں فوت ہو گئی تھیں اور آپ کے والد شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ سے بیعت تھے۔ دیہات میں پنچائتی فیصلے نمٹانے میں ان کا شہرہ تھا۔

آپ کی تعلیم

حضرت نے قرآن کریم اپنے والد محترم کے پیر بھائی قاری ولی محمد صاحب سے پڑھا۔ ۱۳ سال کی عمر میں مدرسہ محمودیہ اللہ والا (لدھیانہ) میں داخلہ لیا۔ وہاں فارسی پڑھی اگلے سال مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے مدرسہ انوریہ میں داخلہ لیا اور دو سال عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ کو پاکستان کے قیام کا اعلان ہُوا تو آپ کا خاندان مہینوں کی خانہ بدوشی کے بعد ملتان کے ایک گاؤں چک ۳۳۵ ڈبلیو بی میں رہائش پذیر ہُوئے۔ قریب ہی مدرسہ رحمانیہ (منڈی جہانیاں) میں دوبارہ تعلیمی سلسلہ شروع کیا پھر ایک سال ضلع بہاولنگر کے شہر فقیر والی میں مولانا عبد اللہ رائے پوری اور اُن کے بھائی مولانا لُطف اللہ شہید اور مفتی عبد اللطیف صاحب سے متوسطات کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ملتان میں جامعہ خیر المدارس میں دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی۔ آپ کے اساتذہ میں مولانا خیر محمد صاحب مولانا عبد الشکور کاملپوری مفتی محمد عبد اللہ ڈیروی، مولانا محمد شریف کشمیری جیسے ذی استعداد جید عُلماء کرام شامل ہیں۔

درس وتدریس

آپ نے اپنی علمی زندگی کا آغاز درس وتدریس سے کیا۔ فراغت کے بعد فیصل آباد کے قریب "روشن والا" میں پڑھایا، پھر احیاء العلوم ماموں کانجن تشریف لے گئے، یہ سب اپنے شیخ کے مشورہ سے کیا۔ اس کے بعد جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں تدریس سے وابستہ رہے۔ گزشتہ ایک عرصہ سے جامعۃ العلوم الاسلامیہ میں استاذ حدیث تھے۔

شوقِ مطالعہ

آپ کو زمانہ طالب علمی ہی سے مطالعہ کا شوق جنون کی حد تک تھا، آپ کے رفیق درس جناب مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ زمانہ طالب علمی میں کتاب ہر وقت آپ کی بغل میں رہتی تھی۔ یہ شوق آخری دم تک دامن گیر رہا۔ کئی مرتبہ فرمایا کہ میں رات کو کتاب لے کر بیٹھتا ہوں تو جب تک ختم نہ ہوجاتے چھوڑنے کو دل ہی نہیں چاہتا۔ آپ کے عزیز مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے بتایا کہ مَیں نے پُوچھا افغانستان کا سفر کیسا رہا؟ ارشاد فرمایا: بہت اچھا رہا، پھر فرمایا بس کتاب ساتھ نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ شوق نصیب فرماویں۔" (آمین)

تحریر کا آغاز

جب آپ ماموں کانجن میں مدرس تھے انہی دنوں صدر ایُّوب خان کو دینِ الٰہی بنانے کا شوق ہُوا، اس نے ایک ادارہ قائم کیا جس میں سارے دین دُشمن جمع ہوگئے اُن کا سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن نامی شخص تھا، اس نے اپنے نام سے بالکل اُلٹ کام شروع کیا اور صدر صاحب کی نمک خواری کا حق ادا کر دیا۔ اس نے اسلام کے خلاف زہر افشانی شروع کی تو حضرت شہیدؒ کے ایمانی جذبات نے آپ کو قلم اُٹھانے پر مجبور کر دیا۔ آپ نے ایک مضمون کراچی کے ماہ نامہ "بیّنات" کو بھیجا جس کو دیکھ کر حضرت بنوریؒ نے اس گوہرِ پوشیدہ کو پہچان لیا اور اپنے پاس بُلانے کا خط لکھ بھیجا۔ حضرت کچھ عرصہ جز وقتی بیّنات کے ساتھ رہے پھر جلد ہی کراچی منتقل ہوگئے اور اب تو حضرت کو لکھنے کے وسائل مہیّا ہوگئے اور قدر دان مل گئے تھے۔ پھر تو آپ کا اشہبِ قلم سرپٹ دوڑا۔ جہاں سے بھی کسی فتنے نے سر اُٹھایا، آپ شمشیرِ بے نیام لیے دُشمن کے سامنے نظر آئے اور ایسا مردانہ وار مقابلہ کیا کہ دُشمن اپنے زخم چاٹنے پر مجبور ہُوا۔

میری معلومات کے مطابق عالمی سطح پر اُٹھنے والا کوئی ایسا فتنہ نہیں ہوگا جس کے مقابلے میں میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے قلم نہ اُٹھایا ہو۔ میرے حضرت رحمۃ اللہ علیہ تن تنہا ایک انجمن تھے وہ بیسیوں آدمیوں کا کام خود اکیلے کرتے تھے۔ جب بھی کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے تو جب تک اُسے اپنے انجام تک نہ پہنچاتے آرام سے نہ بیٹھتے۔

آپ نے علم کو صرف قال تک نہیں رکھا بلکہ اس کو اپنا حال بنالیا، یہی وجہ ہے کہ آج ہزاروں عُلمائے آپ کے علمی، عملی اور روحانی چمن کے خوشہ چین ہیں اور دور دراز دیہاتوں میں گمنامی کی زندگی بسر کرنے والے سینکڑوں صاحب علم حضرات آپ کی زیارت کے لیے آتے اور آپ سے فیض یاب ہو کر جاتے تھے۔

راقم الحروف اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کرے کم ہے کہ جس نے اس ناکارہ کو اپنا ہاتھ اتنی عظیم ہستی کے ہاتھ میں دینے کی توفیق بخشی ورنہ آج نہ جانے کس خار دار وادی میں بھٹک رہا ہوتا؟ اس لیے بحمد اللہ راقم بس اسی تعلّق کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ

گرچہ از نیکاں نیم لیکن بہ نیکاں بستہ ام
در ریاض آفرینش رشتہ گلدستہ ام

مرشدی حضرت لدھیانوی شہیدؒ ایک ہمہ گیر شخصیّت تھے اُنھوں نے اپنے قلم کو "الدین النصیحۃ" کے تابع رکھا، صدر ہو یا وزیر، حکمران ہو یا محکوم، بدعتی ہو یا مُشرک، صحابہؓ کا دُشمن ہو یا رسولؐ کا، منکرِ قرآن ہو یا منکرِ حدیث، تجدد پسند ہو یا ملحد و بے دین، اپنا ہو یا غیر، سب سے آپ کا معاملہ "الدین النصیحۃ" کے تحت تھا۔ اس بات کا اندازہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کے بارے میں ہمارے حضرت کے روزنامہ جنگ کے افتتاحیے اور مرحوم کے حادثہ میں اس فانی دُنیا سے کوچ کر جانے پر ماہنامہ "بیّنات" کے اداریہ سے بخوبی ہو جاتا ہے۔ میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ تو اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم (فداہ ابی وامی) کی اس نیابت کو نبھا رہے تھے کہ ساری کی ساری اُمّت جہنّم سے بچ کر جنّت میں جانے والی بن جائے، اس کی خاطر آپ نے دُشمنوں کے سنگریزے بھی برداشت کیے ہیں اور اپنوں کے طعنے بھی لیکن آپ نے مسلک اعتدال کو کبھی نہیں چھوڑا، آپ نے اپنے معروف کالم "آپ کے مسائل اور ان کا حل" کے ذریعہ راہِ حق سے بھٹکے ہوئے لاکھوں انسانوں کو صراطِ مستقیم دکھایا، ہزاروں بے سکون گھر جنّتِ نظیر بن گئے۔

حقوق اللہ کی ادائیگی

میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ حقوق اللہ پر سختی سے پابند تھے، تکبیر اولیٰ کا خاص اہتمام فرماتے اور اپنے مریدین کو بھی اس پر پابندی کی تلقین فرماتے تھے بلکہ بیعت کے لیے یہ شرط لگاتے کہ پہلے تکبیر اولیٰ کا چلہ کرو پھر بیعت کروں گا اور اگر کسی دن بغیر عذر شرعی تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تو دوبارہ چلہ پُورا کرو، اسی طرح دیگر فرائض کی بھی اپنے متعلقین کو پابندی کا حکم فرماتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر سختی سے عمل کرواتے تھے۔

حقوق العباد

آپ حقوق العباد میں بھی بہت مستعد تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ارشاد "خیرکم لاھلکم وانا خیرکم لاھلی" پر بحسن وخوبی عمل کرنے والے تھے۔ بلاوجہ اپنے گھر کے کسی فرد کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہ فرماتے تھے، خدام کے ساتھ تو ایسا مشفقانہ سلوک تھا کہ سب کو اپنے ساتھ دستر خوان پر کھانا کھلاتے تھے۔ دفتر کے رفقا سے حتی الوسع خدمت نہیں لیتے تھے، سفر میں شریکِ سفر کا بہت ہی خیال کرتے تھے۔ چاہے وہ بڑا ہو یا چھوٹا۔ ایک مرتبہ ایک قاری صاحب کی شکایت پہنچی اسے بُلایا اور غصّہ سے ہلکا سا تھپڑ رسید کردیا لیکن نمازِ ظہر کے فوراً بعد اسے بُلا کر معذرت کی، یہ تھی ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شان رفیع، اگر کوئی ضرورت مند آتا تو اس کی داد رسی کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے، کم از کم اس کے لیے دُعا تو ضرور فرماتے۔

قرآن کریم سے عشق ومحبت

حضرت کو قرآن کریم سے بڑا شغف تھا، اکثر تلاوت قرآن فرماتے اور اپنے مریدین کو بھی کثرتِ تلاوت کی تلقین فرماتے، اسی تعلّق کا نتیجہ تھا کہ جب بھی کوئی قرآن کریم کے نام سے تقریب ہوتی اس میں حاضری کو سعادت جانتے، مدارس خصوصاً مکاتب قرآنیہ کی حوصلہ افزائی فرماتے، یہی وجہ ہے کہ اس وقت "اقرأ" کے سینکڑوں اداروں سمیت ہزاروں مکاتب قرآنیہ آپ کی سرپرستی میں چل رہے ہیں۔

ایک مرتبہ راقم نے عرض کیا کہ

میرے گاؤں میں قرآن کریم پڑھانے کا انتظام نہیں ہے، کیا اس کی میرے اُوپر ذمہ داری تو نہیں ؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "ذمّہ داری تو ہے"، پھر گھر تشریف لے گئے ایک معتد بہ رقم لاکر میرے سُپرد کرتے ہُوئے فرمایا اس سے جگہ کا بندوبست کرو، حضرت دومرتبہ اس مدرسہ میں تشریف لے گئے اور بہت خوش ہُوئے۔ آج بھی وہ مدرسہ دارالقرآن یُوسفیہ کے نام سے پنجاب کے ایک دیہات میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

اسی طرح اس سال حج سے قبل بندہ کے غریب خانہ پر بچّیوں کے مدرسہ یُوسفیہ میں میرے بچّہ کے ختمِ قرآن اور خانقاہ زکریا عارفیہ یُوسفیہ (ڈالمیا کراچی) کی افتتاحی تقریب میں دورانِ وعظ فرمایا: "مَیں بڑی عمر میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سُنتے سُنتے حافظ ہُوا ہوں اور الحمد للہ کئی بار تراویح میں بھی سُنایا ہے اور اس وقت میری اولاد میں بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اکثر حافظ ہیں۔ حاضرین مجمع سے فرمایا کہ میری ایک بات مانو وہ یہ کہ اپنے بچّوں میں سے ایک بچّے کو ضرور حافظ بنالو تاکہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہوجائے۔"

اس تقریب میں میرے والد (اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت دیں) سمیت بہت سے مرد حضرات و خواتین نے حضرت سے بیعت کا بھی شرف حاصل کیا۔

نیز فرمایا کہ اس مدرسہ میں اب بچّیوں کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے دُعاء کریں کہ اللہ تعالیٰ مدرسہ کے لیے بڑی جگہ دے دیں اور آپ حضرات اس کے لیے کوشش بھی کریں کہ اسے بڑی جگہ لے کر دیں یہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا قرآنِ کریم سے تعلّق کا اعلان تھا۔

آپ کا عرصہ دراز سے اعتکاف کا معمول تھا مگر گزشتہ سالوں سے سینکڑوں کی تعداد میں مریدین و متعلقین حضرات کے ساتھ مسجد "فلاح" میں اعتکاف فرماتے تھے۔ بندہ نے ان گناہگار آنکھوں سے دیکھا کہ ضعف کے باوجود مسجد کی اجتماعی تراویح میں قرآن سننے کے بعد اپنے صاحبزادے حافظ محمد یحییٰ سے کھڑے ہوکر مزید تین پارے سُنتے تھے اور آدھی رات کے بعد ایک اور قاری صاحب سے کئی پارے سُنتے تھے۔ رمضان المبارک کے ابتدائی دنوں میں اپنے خلیفہ مجاز حضرت قاری محمد عبداللہ مرحوم سے تراویح میں ۶، ۶ پارے روزانہ سُنتے تھے۔ یہ صرف اور صرف قرآنِ کریم سے محبّت ہی کا نتیجہ تھا۔

مُرسلہ: ڈاکٹر محمد امجد صاحب

غزل

ماضی کی مُبارک یادوں اور زمانۂ حال کے بُرے احوال کے سلسلے میں اہلِ دل کو رُلانے والے اور اہلِ بصیرت کو تڑپانے والے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

وہ ہَوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حَسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہے وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بُو نہ رہی وہ عزیزوں میں لُطف کی خُو نہ رہی
وہ حبیبوں میں رنگ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ اُمنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رُخ نہ رہے درِ دیر پہ نقش جبیں نہ رہے

نہ وہ جام رہے نہ وہ مَست رہے نہ فدائیِ عہدِ اَلست رہے
وہ طریقۂ کار جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لُبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کے لیے غمِ ملّت واُلفتِ دیں نہ رہے

جو تھیں چشمِ فلک کی بھی نُورِ نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مِٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشان بھی ان کے کہیں نہ رہے

غم و رنج میں لوگ اگر ہیں گھرے تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

(بحوالہ ترغیب المسلمین، ص: ۳۸۵)

صدا بہ صحرا

٭٭٭

جناب ذیشان امین صاحب

گزشتہ دنوں اخبارات اور قومی میڈیا کے ذریعے معلوم ہُوا کہ صُوبہ بلوچستان اور سندھ کے کئی علاقے خشک سالی اور قحط کی لپیٹ میں ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ اس قحط سالی کی وجہ سے اِن علاقوں میں ہزاروں جانور ہلاک ہو گئے فصلیں تباہ ہو گئیں باغات اُجڑ گئے اور کئی انسانی جانوں کا ضیاع بھی ہُوا۔

حسبِ روایت سرکاری مشینری حرکت میں آئی لیکن دیر سے جب بلوچستان اور سندھ کے غریب عوام کی چیخ و پکار بلند ہُوئی۔ اخبارات اور دیگر ذرائع میڈیا کے ذریعے تمام ملک میں قحط زدگان کے مصائب کی تشہیر کی گئی۔ چیریٹی شوز منعقد کیے گئے اور اِس طرح سے قحط زدگان کی امداد کا ایک سلسلہ شروع ہُوا جو کہ تاحال جاری ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قحط سالی ایک دم اچانک پیدا ہُوئی یا آہستہ آہستہ تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ قحط زدہ علاقے گزشتہ تین چار سال سے خشک سالی کی لپیٹ میں تھے۔ گزشتہ تین چار سال سے ان علاقوں میں بارشیں بالکل نہ ہُوئیں اور حالات دن بہ دن بگڑتے رہے جس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ اس قحط سالی کے ذمّہ دار اُس وقت کے حکمران ہیں جو اپنے آپ کو عوام کا خادم کہتے تھے جن کا عوام سے رابطے کا یہ حال ہے کہ ہزاروں لوگ اُن علاقوں سے نقل مکانی کرنے پر مجبور ہُوئے۔

حضرت عمر فاروق رضؓ کے دَورِ خلافت میں سلطنتِ اسلامیہ کے ایک علاقے میں قحط اور خشک سالی پیدا ہو گئی تو خلیفۃ المسلمین نے کھانا پینا چھوڑ دیا یہاں تک کہ اُن کے جسم کی ہڈیاں نمایاں ہو گئیں کسی نے پُوچھا تو فرمایا کہ جب تک سلطنتِ اسلامیہ کے فلاں علاقے میں قحط سالی ختم نہیں ہو جاتی اُس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا[1] اس کو احساس کہتے ہیں۔ آج کل کے دَور میں ایسے حکمران کہاں کہ جو اپنی

---

[1] الفاروق ، ج: ص:

رعایا کے دُکھ دَرد میں اِس قدر شامل رہیں کہ کھانا پینا چھوڑ دیں۔

جنگِ عظیم اوّل کے زمانہ میں برطانیہ میں انڈوں کی قلّت پیدا ہوگئی جنگ کا زمانہ تھا چنانچہ ملکہ برطانیہ نے حکم دیا کہ برطانوی عوام انڈوں کی خوراک میں کمی کریں تاکہ محاذِ جنگ پر موجود سپاہیوں کو باقاعدہ انڈے ملتے رہیں لیکن دوسری طرف جب محاذِ جنگ پر موجود افواج کو معلوم ہُوا کہ اُن کے ملک کے لوگ انڈے کم استعمال کر رہے ہیں تو اُنھوں نے بھی محاذِ جنگ پر ہوتے ہُوئے اپنی خوراک میں سے انڈوں کا استعمال کم کر دیا[1] اسے جذبۂ ایثار و قربانی کہتے ہیں، لیکن یہ تاریخ اور یہ روایات تو ہماری ہیں ہم مُسلمان ان روایات کے بانی ہیں۔ یہ جذبہ ایثار و وفاداری یہ سوچ ہم نے کیوں ترک کر دی ؟

ایک طرف تو یہ حال ہے کہ عوام قحط اور خشک سالی سے مر رہے ہیں۔ ہریالی کے ساتھ ساتھ اُنکے جسم بلکہ ان کی سوچ تک مرجھا گئی ہے۔ اُن کی زندگی کا فقط ایک مطالبہ ہے ایک گھونٹ پانی اور روٹی پیٹ بھرنے کے لیے گزشتہ دنوں اخبار میں ایک خبر پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو گئے کہ ایک قحط زدہ شہری اپنی اور اپنے گھر والوں کی بھُوک سے لاچار ہوکر اپنی نوجوان بیٹی کو بازار میں فروخت کرنے کے لیے لے آیا۔ کیا الگ مُلک کی تشکیل کا یہ مقصد تھا!

اَب ہمارے حکمرانوں کا حال کیا ہے۔ خُدا جانے خود تو وہ کیا کھاتے ہوں گے ؟ سُنا ہے کہ اُن کے گھوڑے مربہ جات اور بادام کھاتے ہیں۔ آخر یہ ناانصافی کیوں ؟ یہ کس کا قصور ہے ؟ یہ سارا کیا دھرا ہمارا اپنا ہے۔ مذہب سے دُور ہوکر ہم آج ان حالات تک پہنچ گئے ہیں۔ بے حسی کا عالم ہے ہر کوئی ایک دوسرے کے حقوق غصب کر رہا ہے۔ مادہ پرستی کا رجحان اس قدر زیادہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو کا جائزہ مادہ پرستی کی بُنیاد پر کیا جاتا ہے۔ بدقسمتی بلکہ المیہ یہ ہے کہ مذہب کو ہم لوگوں نے ثانوی چیز سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ اپنی غلطیاں دوسروں کے سر ڈالنے کی عادت عام ہوگئی ہے اور دین ہماری زندگیوں سے خارج ہوتا جا رہا ہے۔ خُدارا اللہ کو یاد رکھیے اور اللہ کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات کو اپنائیے تاکہ یہ ناانصافی کا دَور ختم ہو جس کی وجہ سے حکمرانوں اور عوام کے درمیان حد بندی پیدا ہوگئی ہے۔

○

---

[1] History of British India By George Orwell

انتقالِ پُر ملال

گزشتہ ماہ ۲۹ مئی کو محترم جناب حاجی مبین احمد صاحب مدظلہم کی بھتیجی اور محترم بھائی شمیم صاحب کی صاحبزادی کے شوہر کو انتہائی ظالمانہ انداز میں معمولی جھگڑے پر گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ اِنّا للّٰہ وانّا الیہ راجعون۔ جواں سالہ بیٹی کی اچانک بیوگیت اور معصوم بچّوں کی یتیمی نے خاندان کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرما کر بلند درجات عطا فرمائے پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق ہو۔ ادارہ غمزدہ خاندان کے دُکھ میں برابر کا شریک ہے۔ قارئین سے بھی دُعاءِ مغفرت کی درخواست ہے۔

عُمدہ اور فینسی جِلد سازی کا عظیم مرکز
NBB
نفیس بُک بائنڈرز
ہمارے یہاں ڈائی دار اور لیمینیشن والی جلد بنانے کا کام انتہائی معیاری طور پر کیا جاتا ہے
نیز قرآن مجید کی اعلیٰ قسم کی بکس والی جلد بھی خوبصورت انداز میں بنائی جاتی ہے
مُناسب نرخ پر معیاری جلد سازی کے لئے رجوع فرمائیں
۱۶۔ ٹیپ روڈ نزد گھوڑا ہسپتال لاہور
فون 7322408

حاصل مطالعہ

مولانا نعیم الدین صاحب ، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

اللہ کے سامنے جواب دہی

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ انھوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ صاحبزادہ دن بھر جو کام کیا کرو شام کو ہم کو اُس کا حساب دیا کرو، اس بچارے کو بڑی دِقت ہُوئی اوّل تو ہر کام کو سوچ بچار کر کرتا، پھر اس کو یاد رکھتا۔ پھر ابّا جان کے سامنے ہر کام کی وجہ اور اس کی ضرورت اور توجیہ بیان کرتا، کئی روز اسی پریشانی میں گزرے، ایک روز اس نے کہا کہ ابّا اس سے کیا فائدہ ہے جو کچھ آپ کو نصیحت کرنا ہو ویسے ہی کر دیا کرو، انھوں نے فرمایا کہ بیٹا اس میں یہ حکمت ہے کہ تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ جب میں ایک بڈھے باپ کے سامنے حساب نہیں دے سکتا تو حق تعالیٰ جو عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ اور قادرِ مطلق ہے اُس کے سامنے کیسے حساب دوں گا۔" [1]

محدث کثیر بن عبید رحمہ اللہ کی امامت

شارحِ ابوداؤد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمہ اللہ (م : ۱۳۴۷/۱۹۲۹) تیسری صدی کے ایک جلیل القدر محدّث کثیر بن عُبَیْدٍ بن نُمَیْرٍ اَلْمَذْحِجِی ــــ (م ۲۵۰ھ) کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

---

[1] وعظ الخضوع مشمولہ مواعظ اشرفیہ

"کان یقال انہ آمّ باھل حمص ستین سنۃً فما سھا فی صلٰوتہ" ؎۱ آپ کے متعلق آپ کے زمانہ میں کہا جاتا تھا کہ آپ نے اہلِ حمص کی ساٹھ برس امامت کی اور اس عرصہ میں ایک دفعہ بھی آپ کو اپنی نماز میں سہولاحق نہیں ہُوا (یعنی ایک مرتبہ بھی سجدۂ سہو کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔)

ابوالحسن احمد بن محمد بن عمر حمصیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت کثیر بن عبیدؒ سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو فرمایا:

"ما دخلت من باب المسجد قط و فی نفسی غیر اللّٰہ" ؎۲ کبھی ایسا نہیں ہُوا کہ میں مسجد کے دروازے سے اندر داخل ہُوا ہوں اور میرے دل میں غیر اللہ کا تصوّر بھی آیا ہو۔

حضرت کثیر بن عبیدؒ اپنے زمانہ کے بہت بڑے محدّث تھے امام ابوداؤدؒ امام نسائیؒ اور امام ابن ماجہؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں ان کی احادیث ذکر کی ہیں یہ ساٹھ برس تک حمص کی جامع مسجد میں اہلِ حمص کی امامت کرتے رہے اور معاش کے لیے جفت سازی کا پیشہ اپنایا، جوتے بناتے تھے اور ان کو فروخت کر کے رزقِ حلال کماتے تھے اسی نسبت سے اَلْحَذَّاءُ مشہور تھے۔ عربی میں حَذَّاءُ جوتے بنانے والے کو کہتے ہیں ۲۵۰ھ میں آپ کا انتقال ہُوا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

محدّث کثیر بن عبیدؒ کے حالات سے ہمیں درج ذیل سبق حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) انسان جب نماز پڑھے تو اپنے قلب کو ماسوی اللہ سے خالی کر کے کامل حضور اور توجہ سے نماز پڑھے اِس طرح نماز پڑھنے سے کبھی سہولاحق نہیں ہوگا۔ ہم لوگ چونکہ تمام قسم کے خیالات دل میں بسا کر نماز پڑھتے ہیں اس لیے ہمیں کثرت سے سہو و نسیان لاحق ہوتا رہتا ہے۔ اس موقع پر ناچیز کو حضرت بشر حافی رحمہ اللہ کا واقعہ یاد آگیا۔ موقع کی مناسبت سے اسے بھی ذکر کیا جاتا ہے۔

؎۱ بذل المجہود ج ۱ ص ۳۷۲

؎۲ تہذیب الکمال ج ۲۴ ص ۱۴۲

حضرت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں۔

"بشر حافی رح بڑے مرتبہ کے بزرگ ہیں ایک بار حضرت امام احمد بن حنبل رح نے امتحاناً ان سے مسئلہ زکوٰۃ کا پوچھا انھوں نے فرمایا کہ: تمہاری زکوٰۃ تو یہ ہے کہ جب نصاب پورا ہو اور ایک سال گزر جائے تو چالیسواں حصّہ مساکین کو دے دے باقی خود رکھے اور ہماری زکوٰۃ یہ ہے کہ اتنا جمع ہی نہ ہونے دے کہ زکوٰۃ واجب ہو۔ پھر نماز میں سہو ہو جانے کے متعلق پوچھا: فرمایا: ایسے قلب کو سزا دینا چاہیے جو خدا کے سامنے کھڑا ہو کر اُس سے غافل ہو۔ حضرت امام احمد رح اس روز سے (آپ کے) معتقد ہو گئے"۔ [1]

(۲) رزقِ حلال کمانے کے لیے کوئی نہ کوئی پیشہ اپنانا چاہیے اس سے جہاں انسان کے معاش کا مسئلہ حل ہوتا ہے وہیں اس کی عزّتِ نفس بھی قائم رہتی ہے اور وہ بے باکی سے حق بیان کرتا ہے اُس زمانہ کے اکثر بزرگ کسی نہ کسی پیشہ سے منسلک تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے، افسوس کہ طبقۂ عُلماء نے آج کل اپنے ہاتھ سے کمانا چھوڑ دیا اس لیے حق گوئی اور بے باکی میں نمایاں کمی آگئی۔

(۳) رزقِ حلال کی جستجو میں کسی بھی جائز پیشہ کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے۔ محدّث کثیر بن عبید رح نے جلیل القدر محدّث اور امام ہونے کے باوجود ایک معمولی پیشہ اپنایا کہ جوتیاں بنا کر رزقِ حلال حاصل کرتے رہے۔

یہ دُنیا ہے

علّامہ دِمیرِی رحمہ اللہ (م ۸۰۸ھ) تحریر فرماتے ہیں۔

"جریر نے لیث سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت عیسٰی علیہ السّلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا نبیَّ اللہ! میں آپ کی صحبت

---

[1] ملفوظات حسن العزیز۔ ج: ۲، ص۲۵۲

میں رہنا چاہتا ہوں (آپ نے فرمایا بہتر ہے) چنانچہ ایک دن آپ اِس رفیق کو ساتھ لے کر باہر نکلے اور جب ایک نہر کے کنارے پر پہنچے تو دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، ناشتہ دان میں صرف تین روٹیاں تھیں۔ دو انھوں نے کھالیں اور ایک بچ گئی۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام اُٹھ کر نہر پر تشریف لے گئے اور پانی پی کر واپس تشریف لائے آکر دیکھا تو ناشتہ دان سے بچی ہُوئی روٹی غائب تھی۔ آپ نے اپنے رفیق سے دریافت فرمایا کہ وہ تیسری روٹی کہاں گئی؟ اس نے جواب دیا کہ لَا اَدْرِیْ (مجھے معلوم نہیں) آپ نے فرمایا کہ اچھا چلیے۔ راستہ میں ان کو ایک ہرنی ملی اس کے ساتھ اس کے دو بچّے بھی تھے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے ہرنی کے دو بچّوں میں سے ایک کو اپنے پاس بلالیا اور اس کو ذبح کر کے پکایا اور پھر دونوں نے مل کر کھایا۔ جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا "قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ (اللہ کے حکم سے کھڑا ہو جا) چنانچہ وہ پھر زندہ ہو کر کُودتا ہُوا دوڑ کر اپنی ماں کے پاس پہنچ گیا۔ پھر آپ نے اپنے رفیق سے فرمایا میں تجھ کو اس ذات پاک کی جس نے تجھے یہ معجزہ دکھلایا قسم دے کر پُوچھتا ہوں کہ وہ تیسری روٹی کہاں گئی مگر اُس نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ اس کے بعد دونوں آگے بڑھے اور ایک دریا پر پہنچے، آپ نے اپنے رفیق کا ہاتھ پکڑا اور دریا کے پانی میں چلنے لگے، جب دونوں نے دریا پار کر لیا تو آپ نے اپنے اس رفیق سے فرمایا کہ مَیں تجھ کو اس ذات کی قسم دے کر پُوچھتا ہُوں جس نے تجھے یہ معجزہ دکھلایا کہ وہ تیسری روٹی کہاں گئی؟ مگر اس نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھ کو معلوم نہیں، اِس کے بعد دونوں چلے اور ایک میدان میں پہنچے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے وہاں سے ریت اور مٹی اُٹھا کر فرمایا "بحکمِ خُدا سونا ہو جا" چنانچہ وہ ریت اور مٹی سونا بن گئے۔ آپ نے اس سونے کے تین حصّے کیے اور فرمایا کہ ایک حصّہ میرا ایک تیرا اور ایک اس شخص کا جس نے تیسری روٹی کھائی تھی۔

یہ سُن کر بولا کہ (یا رُوحَ اللہ) وہ تیسری روٹی مَیں نے ہی کھائی تھی (اپنے رفیق سے تیسری روٹی کا اعتراف کرالے کے بعد) آپ نے فرمایا کہ یہ سب سونا مَیں نے تجھ ہی کو دیا اور یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل دئیے۔ وہ شخص جنگل میں تنہا بیٹھا ہُوا اس مال کی حفاظت کرتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد دو شخص وہاں آئے اور سونا دیکھ کر اُنھوں نے اس کو مارنے اور سونا لینے کا قصد کیا، اس شخص نے کہا کہ مجھے مارو نہیں بلکہ یہ کرو کہ اس سونے کو تین حصّوں میں تقسیم کرلو۔ ایک ایک حصّہ تم دونوں کا اور ایک حصّہ میرا ہو جائے گا (چنانچہ اس تقسیم پر وہ دونوں راضی ہوگئے) اب حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے رفیق نے کہا کہ ایسا کرو کہ فی الحال تم دونوں میں سے کوئی ایک شہر جاکر کھانا لے آوَ (تاکہ کھانا کھانے کے بعد اطمینان سے اس سونے کی تقسیم کی جاسکے، چنانچہ ان میں سے ایک شہر میں کھانا لانے کے لیے چلا گیا) لیکن راستہ میں کھانا لانے والے شخص نے سوچا کہ اگر میں کھانے میں زہر ملا دوں تو یہ سب سونا میرا ہو جائے گا، چنانچہ اس نے کھانے میں زہر ملا دیا اور کھانا لے کر اُن کے پاس پہنچا، لیکن یہ دونوں شخص اس کے آنے سے پہلے ہی آپس میں مشورہ کر چکے تھے کہ کھانا لانے والے کو آتے ہی مار ڈالا جائے تاکہ یہ سونا ہم آپس میں آدھا آدھا تقسیم کرلیں، چنانچہ جیسے ہی یہ تیسرا شخص کھانا لے کر پہنچا تو دونوں نے مل کر اس کو مار ڈالا اور اس کو مارنے کے بعد وہ اطمینان سے کھانا کھانے بیٹھے تاکہ کھانا کھانے کے بعد سونا آدھا آدھا تقسیم کرلیا جائے لیکن کھانا زہر آلود تھا جس کی وجہ سے دونوں کھانا کھاتے ہی مر گئے اور مال جوں کا توں رکھا رہا۔ اتفاق سے حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا پھر ادھر سے گزر ہُوا جب آپ نے یہ منظر دیکھا کہ وہ تینوں مرے پڑے ہیں اور مال جوں کا توں رکھا ہُوا ہے تو اپنے حواریین سے مخاطب ہو کر فرمایا: یہ دُنیا ہے اور یہ دُنیا داروں کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کرتی ہے"۔[۱]

---

[۱] حیاۃ الحیوان عربی، ج: ۱، ص: ۴۱۶، طبع مصر۔

اخبار و احوال جامعہ (جدید)

محمد آباد رائے ونڈ روڈ

○ ۲۳ر مئی جناب الشیخ محمد مرابطین صاحب جو فرانس سے جامعہ مدنیہ جدید کے سنگِ بُنیاد کی تقریب میں شرکت کے لیے تشریف لائے تھے واپس ہُوئے چونکہ شیخ کافی پہلے آ گئے تھے اور اُن کی کچھ مصروفیت تھی اس لیے زیادہ قیام نہ فرما سکے۔

○ ۲۸ر مئی صبح دس بجے تقریبِ تاسیس کے سلسلہ میں اجلاس ہُوا جس میں پروگرام کو حتمی شکل دی گئی۔ اجلاس میں حافظ مجاہد صاحب، محترم افتخار صاحب، محترم شارق عثمانی صاحب، جناب پرویز ملک صاحب جناب سیّد فرید احمد صاحب، جناب احمد شیخ صاحب، جناب یُوسف صاحب محترم حامد صاحب، محترم بھائی فیروز صاحب نے شرکت کی

اسی روز ظہر کے بعد معروف جہادی تنظیم جیش محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کے امیر حضرت مولانا مسعود اظہر صاحب تشریف لائے مختلف اُمور پر گفتگو ہُوئی مولانا سیّد محمود میاں صاحب نے تقریب تاسیس کا دعوت نامہ پیش کیا جس پر اُنھوں نے اظہار مسرّت فرمایا

○ ۸ر جون جناب حافظ اخلاق احمد صاحب کراچی سے مولانا سیّد محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید کی خصوصی دعوت پر پروگرام میں شرکت کے لیے تشریف لائے۔

○ ۹ر جون بعد از عصر امیر الہند حضرت مولانا سیّد اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کے استقبال کے لیے مولانا سیّد محمود میاں صاحب دامت برکاتہم بہت سے رفقاء کے ساتھ ائر پورٹ گئے۔ حضرت نے مغرب کی نماز ائر پورٹ پر ہی ادا فرمائی عشاء سے قبل جامعہ میں ورودِ مسعود ہُوا۔

○ ۱۰ر جون حضرت اقدس مولانا اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم العالیہ مختلف پروگراموں میں تشریف لے گئے جس کی تفصیل قارئین آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

○ ۱۰ر جون کی شب تقریب تاسیس میں شرکت کے لیے ملک بھر سے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی اسی تاریخ کو جناب قاری شریف احمد صاحب، بھائی ریاض الدّین صاحب، حافظ فہیم الدّین صاحب، حافظ تنویر احمد شریفی حافظ فرید احمد شریفی صاحب اور بھائی کمال صاحب، پروگرام میں شرکت کے

لیے کراچی سے تشریف لاتے۔

○ ۱۱؍جون صُبح نو بجے تقریب تاسیس کا آغاز ہُوا ساڑھے گیارہ بجے اختتام ہُوا، قارئین اس کی مکمل تفصیل آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں۔

○ ۱۲؍جون بعد از ظہر حضرت امیر الہند دامت برکاتہم واپس تشریف لے جانے کے لیے ائرپورٹ روانہ ہُوئے وہاں سے بذریعہ جہاز دہلی تشریف لے گئے۔

○ ۱۳؍جون صُبح حافظ اخلاق احمد صاحب واپس کراچی تشریف لے گئے

○ ۱۴؍ ۱۵؍جون کو بھی مختلف مہمان واپس تشریف لے جاتے رہے۔

○ ۱۶؍جون جناب مجاہد صاحب جناب ریحان صاحب مولانا سید محمود میاں صاحب کے ہمراہ جامعہ مدنیہ جدید تشریف لے گئے مسجد حامد کی تعمیر اور اس کے ماڈل کو دیکھ کر بہت متأثر ہوئے۔

○ ۱۸؍جون جناب مجاہد صاحب چودھری سعید صاحب کی جامعہ جدید آمد ہُوئی جامعہ جدید و مسجد حامدؒ کی تعمیر و ترقی کو دیکھ کر بہت متأثر ہُوئے۔

○ ۲۰؍جون، بعد از عصر سپاہ صحابہ کے مرکزی رہنما حضرت مولانا ضیاء القاسمی صاحب دامت برکاتہم مولانا سیّد محمود میاں صاحب مہتمم جامعہ مدنیہ جدید سے ملاقات کے لیے تشریف لائے مختلف اُمور پر بات چیت ہوئی۔

○ ۲۲؍جون، مسجد حامدؒ کے ہال کی بُنیادوں کی کُھدائی مکمل ہُوئی اس کام کی نگرانی کی خدمت جناب افتخار صاحب نے انجام دی۔

○ ۲۴؍جون کو مجاہدین کی عالمی تنظیم حرکۃ الجہاد الاسلامی کے مرکزی رہنما مولانا بشیر احمد حامد حصاروی صاحب دامت برکاتہم مرکزی رفقاء کے ہمراہ مولانا سیّد محمود میاں صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

○ ۲۵؍جون کو حرکۃ الجہاد الاسلامی کے امیر مرکزی حضرت مولانا قاری سیف اللہ اختر صاحب دامت برکاتہم کا خط مولانا سہیل احمد صاحب کابل سے لے کر آئے جس میں جامعہ جدید و مسجد حامد کی تاسیس پر اظہارِ مسرت تھا اور شرکت نہ کر سکنے پر اظہار افسوس تھا۔ حضرت مولانا سیف اللہ اختر صاحب نے یوم تاسیس کو فون پر بھی مُبارک باد دی تھی۔

جامعہ مدنیہ (جدید) ومسجد حامدؒ
کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیجئے

بانی جامعہ حضرت اقدس مولانا سید حامد میاںؒ نے جامعہ مدنیہ کی وسیع پیمانے پر ترقی کے لئے محمد آباد موضع پاج (لاہور رائے ونڈ روڈ نزد چوک تبلیغی جلسہ گاہ) پر برلبِ سڑک جامعہ اور خانقاہ کے لئے تقریباً چوبیس ایکڑ ۱۹۸۰ء میں خرید کیا تھا۔

الحمد للہ حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی دامت برکاتہم العالیہ اور حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دا برکاتہم العالیہ نے ۷ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ ۱۱ جون ۲۰۰۰ء کو اپنے دست مبارک سے ''مسجد حامدؒ'' اور ''جا مدنیہ (جدید)'' کا سنگ بنیاد رکھ کر اسکی باقاعدہ تعمیر کا آغاز کر دیا ہے۔ جامعہ اور مسجد کی تکمیل محض اللہ تعالیٰ فضل اور اسکی طرف سے توفیق عطاء کئے گئے اہل خیر حضرات کی دُعاؤں اور تعاون سے ہوگی۔

اس مبارک کام میں آپ خود بھی خرچ کیجئے اور اپنے عزیز واقارب کو بھی ترغیب دیجئے، ایک اندازہ کے مطابق میں ایک نمازی کی جگہ پر پانچ ہزار روپے لاگت آئے گی حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ نمازیوں کی جگہ بنو صدقۂ جاریہ کا سامان فرمائیں۔

منجانب

سیّد محمود میاں مہتمم جامعہ مدنیہ (جدید) واراکین اور خدام جامعہ

خطوط، عطیات اور چیک بھیجنے کے پتے

1- سیّد محمود میاں ''بیت الحمد'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور پاکستان

2- سیّد محمود میاں جامعہ مدنیہ (جدید) محمد آباد موضع پاجیاں رائیونڈ روڈ لاہور پاکستان

فون نمبر : - 092 - 42 - 7726702 - 092 - 42 - 200277

اکاؤنٹ نمبر 7915-3 مسلم کمرشل بینک کریم پارک برانچ لاہور

ڈالر اکاؤنٹ نمبر 19 مسلم کمرشل بینک ٹمبر مارکیٹ برانچ لاہور